# حضرت سلیمان علیہ السلام ، نملة اور ملکہ بلقیس سے متعلق قرآنی بیانات اور اس کی صحیح تفسیر

خواجہ عبدالعظیم احمد،(ریسرچ اسکالر۔فاضل عربی۔شاہد)

## "دنیا ایک شیش محل ہے جس کے شیشوں کے نیچے زور سے پانی چل رہا ہے
## اور نادان سمجھتا ہے کہ یہی شیشے پانی ہیں حالانکہ پانی ان کے نیچے ہے۔"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 411)

قرآن کریم فرقان حمید میں ایک سورۃ سورۃ النمل کے نام سے موجود ہے۔ یہ قرآن کی ستائیسویں سورۃ ہے۔ اس کی بسم اللہ سمیت کل چورانوے آیات ہیں۔ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

اس سورت کے کئی ایک معرکۃ الآراء مضامین میں دو مضامین ایسے ہیں جن کے بارہ میں مفسرین مختلف الخیال ہیں۔ بعض جگہ تو مفسرین کے ہاں ایک سا رجحان پایا جاتا ہے اور بعض جگہ مختلف۔ ان میں سے ایک مضمون حضرت سلیمان علیہ السلام کا نملۃ کے ساتھ مکالمہ ملتا ہے اور دوسرا مضمون ملکہ بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کے مابین سرگزشت ملتی ہے۔

اس مقالہ میں سب سے ان دونوں مقامات قرآنی کے حوالہ سے مفسرین کی رائے کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر انہی مضامین سے متعلق جماعت احمدیہ مسلمہ کی تفسیر کو قارئین کے سامنے رکھا جائے گا۔

**وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ** وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ **عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ** وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ (17) **وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ** مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ (18) حَتَّى إِذَا أَتَوْا عَلَى **وَادِ النَّمْلِ** قَالَتْ **نَمْلَةٌ** يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (19) فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ (20) **وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ** فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى **الْهُدْهُدَ** أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ (21) **لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ** أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ (22) فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ (23) إِنِّي **وَجَدْتُ امْرَأَةً** تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا **عَرْشٌ عَظِيمٌ** (24) **وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ** مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ (25) أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ (26) اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (27) قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (28) **اذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا** فَأَلْقِهِ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ (29) قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ (30) **إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ** الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (31) أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ (32) قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ (33) قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ (34) قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ (35) **وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ** فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ (36) فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ (37) ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ (38) قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ (39) قَالَ **عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ** أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ (40) **قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ** أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ **يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ**

فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (41) قَالَ **نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا** نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ (42) فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ (43) وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ (44) قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً **وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا** قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (45)

ترجمہ:

اور سلیمان داؤد کا وارث ہوا اور اس نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی زبان سکھائی گئی ہے اور ہر چیز میں سے ہمیں کچھ عطا کیا گیا ہے یقیناً یہ کھلا کھلا فضل ہی ہے۔ اور سلیمان کے لئے جن وانس اور پرندوں میں سے اس کے لشکر اکٹھے کئے گئے اور انہیں الگ الگ صفوں میں ترتیب دیا گیا۔ یہاں تک کہ جب وہ نمل کی وادی پر پہنچے تو نمل (قوم) کی ایک عورت نے کہا اے نمل! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ سلیمان اور اس کے لشکر ہرگز تمہیں روند نہ دیں جبکہ انہیں (اس کا) احساس تک نہ ہو۔ وہ (یعنی سلیمان) اس کی اس بات پر مسکرایا اور کہا اے میرے ربّ! مجھے توفیق بخش کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تونے مجھ پر کی اور میرے ماں باپ پر کی اور ایسے نیک اعمال بجالاؤں جو تجھے پسند ہوں اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیکوکار بندوں میں داخل کر۔ اور اس نے ایک بلند خیال انسان کو غائب پایا تو اس نے کہا کہ مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا کیا وہ غیر حاضروں میں سے ہے۔ میں ضرور اسے سخت عذاب دوں گا یا پھر اسے ضرور ذبح کر دوں گا یا وہ (اپنے دفاع میں) میرے پاس کوئی کھلی کھلی دلیل لے کر آئے۔ پس وہ (یعنی سلیمان) زیادہ دیر نہیں ٹھہرا تھا کہ (ہدہد آگیا اور) اس نے کہا میں نے وہ بات معلوم کر لی ہے جو آپ کو معلوم نہیں اور میں سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ یقیناً میں نے ایک عورت کو ان پر حکمرانی کرتے پایا اور اسے ہر چیز میں سے کچھ عطا کیا گیا ہے اور اس کا ایک عظیم تخت ہے۔ یں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کی بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے ان کے اعمال ان کو خوبصورت کر کے دکھائے ہیں پس اس نے (سچی) راہ سے ان کو روک دیا ہے پس وہ ہدایت نہیں پاتے۔ (شیطان نے ان کو انگیخت کیا) کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ وہ ہے کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی عرشِ عظیم کا رب۔ اس نے کہا ہم جائزہ لیں گے کہ کیا تونے سچ کہا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ یہ میرا خط لے جا اور اسے ان لوگوں کے سامنے رکھ دے پھر اُن سے ایک طرف ہٹ جا پھر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ (یہ خط دیکھ کر) اس (ملکہ) نے کہا اے سردارو! میری طرف یقیناً ایک معزز خط بھیجا گیا ہے۔ یقیناً وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے: اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (پیغام یہ ہے) کہ تم میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور میرے پاس فرمانبردار ہو کر چلے آؤ۔ اس نے کہا اے سردارو! مجھے میرے معاملہ میں مشورہ دو میں کوئی اہم فیصلہ نہیں کرتی مگر اس وقت جب تم میرے پاس موجود ہو۔ انہوں نے کہا ہم بڑے طاقتور لوگ ہیں اور سخت جنگجو ہیں دراصل فیصلہ کرنا تیرا ہی کام ہے پس تو خود ہی غور کر لے کہ تجھے (ہمیں) کیا حکم دینا چاہیے۔ اس نے کہا یقیناً جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں اور اس کے باشندوں میں سے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ اور ضرور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجنے لگی ہوں پھر میں دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لاتے ہیں۔ پس جب وہ (وفد) سلیمان کے پاس آیا تو اس نے کہا کیا تم مجھے مال کے ذریعہ مدد دینا چاہتے ہو جبکہ اللہ نے جو مجھے عطا کیا

ہے اُس سے بہتر ہے جو تمہیں عطا کیا ہے لیکن تم اپنے تحفے پر ہی اِترا رہے ہو۔ اُن کی طرف لوٹ جا پس ہم ضرور اُن کے پاس ایسے لشکروں کے ساتھ آئیں گے جن کا کوئی مقابلہ ان کے لئے ممکن نہیں اور ہم انہیں ضرور اس (بستی) سے ذلیل بناتے ہوئے نکال دیں گے اور وہ بے بس ہوں گے۔ اس نے کہا اے سردارو! کون ہے تم میں سے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر پہنچیں۔ جنوں میں سے عِفریت نے کہا میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا پیشتر اس سے کہ تو اپنے مقام سے پڑاؤ اٹھالے اور یقیناً میں اس (کام) پر بہت قوی (اور) قابل اعتماد ہوں۔ وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا پیشتر اس سے کہ تیرا نگہبان دستہ تیری طرف لوٹ آئے پس جب اس نے اسے اپنے پاس پڑا پایا تو کہا یہ محض میرے رب کے فضل سے ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو بھی شکر کرتا ہے تو اپنے نفس کے فائدہ کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب یقیناً مستغنی اور صاحبِ اکرام ہے۔ اس نے کہا اس کا تخت اس کے لئے ایک عام سی چیز بنا دو ہم دیکھتے ہیں کہ آیا وہ حقیقت کو پا جاتی ہے یا ایسے لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو ہدایت نہیں پاتے۔ پس جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت اسی طرح کا ہے تو اس نے جواب دیا گویا یہ وہی ہے اور اس سے پہلے ہی ہمیں علم دے دیا گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہو چکے تھے۔ اور اُس (یعنی سلیمان) نے اُسے اُس سے روکا جس کی وہ اللہ کے سوا عبادت کیا کرتی تھی یقیناً وہ کافر قوم میں سے تھی۔ اسے کہا گیا: محل میں داخل ہو جا پس جب اس نے اسے دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھالیا اُس (یعنی سلیمان) نے کہا یہ تو ایک ایسا محل ہے جو شیشوں سے جڑا ہوا ہے اس (ملکہ) نے کہا اے میرے ربّ! یقیناً میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ اللہ، تمام جہانوں کے ربّ کی فرمانبردار ہوتی ہوں۔

مندرجہ بالا آیات میں جن الفاظ کو جلی حروف میں لکھا گیا ہے، اس مقالہ میں بنیادی طور پر ان کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔

### (1) (وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ۔۔۔) حضرت داؤد علیہ السلام کی میراث سے مراد

امام القرطبی اس ذیل میں لکھتے ہیں:۔

"کلبی کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کے انیس (19) بچے تھے۔ مگر آپ کی باشاہت و نبوت کے وارث صرف حضرت سلیمان ہوئے۔ ورنہ اگر اگر یہ کوئی مالی میراث ہوتی تو سب بچوں میں تقسیم ہوتی۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ وراثت حضرت داؤدؑ کی حکمت و نبوت کی تھی اس پر اللہ نے آپ کو بادشاہت بھی عطا کر دی۔ ایسا فضل پھر بعد میں کسی کے حصہ نہ آیا۔ بعض علماء کے نزدیک کسی بھی نبی کو اتنی وسیع بادشاہت نہیں ملی جتنی کے حضرت سلیمان کو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جن وانس، چرند پرند سب مسخر کر دیئے تھے۔ آپ کو وہ کچھ عطا ہوا جو کسی کو نہ ہوا اور آپ اپنے والد کی وفات کے بعد انہی کی شریعت کو لے کر چلے۔"[1]

امام محمود الآلوسی، صاحب تفسیر روح المعانی اور علامہ زمخشری، صاحب تفسیر الکشاف نے بھی مندرجہ بالا مضمون ہی بیان فرمایا ہے۔[2]

اسی بات کو کسی قدر مختلف انداز میں بیان کرتے ہوئے امام ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

"یہ وراثت نبوت اور بادشاہت کی تھی۔ اور اللہ نے اس کے لئے آپ کو مخصوص کیا۔ یہ مالی وراثت نہ تھی ورنہ حضرت داؤدؑ کی کی ایک سو (100) بیویاں تھیں اور کئی ایک بچے۔ اس سے مراد نبوت و بادشاہت کی وراثت ہے کیونکہ انبیاء کوئی بھی مال وراثت نہیں چھوڑتے۔"[3]

علامہ کاشانی نے یہی مؤقف اپنی تفسیر، تفسیر الصافی میں اپنایا ہے۔[4]

آپ کو وراثت میں ملنے والی بادشاہت کے بارہ میں علامہ وحید الدین خاں اپنی تفسیر التذکیر میں لکھتے ہیں:۔

"آپ کی سلطنت فلسطین اور شرق اردن سے لے کر شام تک پھیلی ہوئی تھی۔"[5]

مندرجہ بالا بات ہی جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنی تفسیر "البیان" میں لکھی۔[6]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اس وراثت کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"حضرت سلیمانؑ حضرت داوٗدؑ کا وارث ہوا (علم و کمالات روحانی میں)۔۔۔یوں تو حضرت داوٗدؑ کے انیس لڑکے تھے۔ مگر علمی وارث سلیمانؑ ہوئے۔"[7]

## (2) (عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ) پرندوں کی بولی سمجھنے سے مراد

امام القرطبی اس بارہ میں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"اللہ کے خاص افضال میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے (حضرت سلیمان) جہاں بادشاہت، نبوت اور علم و حکمت پنے والد سے ورثہ میں پائی ویسے ہی مجھے پرندوں کی آوازوں اور ان کے مافی الضمیر کو سمجھنا بھی سکھایا گیا ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلیمان بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا۔ آپ نے اپنے گرد بیٹھے لوگوں سے فرمایا، جانتے ہو اس پرندہ نے کیا کہا؟ اس نے کہا، اے بادشاہ اور نبی اسرائیل کے نبی اللہ آپ کو اکرام بخشے۔ آپ کو اپنے دشمن پر غلبہ دے۔ میں اپنے بچوں کو کھانا دینے جارہی ہوں پھر میں دوبارہ آپ کے پاس سے گزروں گی۔ یہ پرندہ یہاں واپس آئے گا۔ کچھ دیر گزری تو وہ پرندہ واپس آگیا۔ اور اس نے کہا السلام علیکم اے بادشاہ! مجھے اجازت دیجیے تا کہ میں اپنے بچوں کی گزر اوقات کا سامان کر سکوں، آپ نے اس کو اجازت عطا کی۔ فرقد السبخی کہتے ہیں، ایک بار آپ بلبل کے قریب سے گزرے، آپ نے اپنے اصحاب سے کہا، جانتے ہو کہ کیا کہتی ہے؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی، نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ ایک ہدہد کے قریب سے گزرے جہاں کسی بچے نے جال بچھایا ہوا تھا، آپ نے ہدہد سے کہا، اے ہدہد ذرا بچ کے، کسی نے جال بچھایا ہوا ہے۔ ہدہد بولی، اے اللہ کے نبی، آپ فکر نہ کریں۔ یہ بچہ کم عقل ہے۔ میں بھی اس بچہ کے ساتھ مذاق ہی کروں گی۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے اس ہدہد کو اس بچہ کے جال میں پھنسا پایا۔ آپ نے اس ہدہد سے پوچھا، تیرا برا ہو! تو تو زمین کے نیچے پانی دیکھ لیتے ہے یہ جال نہ دیکھ سکی اور اس سے بچ نہ سکی، اس پر ہدہد بولی کہ جب قضاء و قدر مجھے پکڑنے لگتی ہے تو میں اندھی ہو جاتی ہوں! کعب کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان کے پاس دو قمریاں چیخیں۔ آپ نے استفسار فرمایا، جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ کے اصحاب بولے، نہیں! آپ نے فرمایا، یہ کہہ رہی ہیں موت کے لئے (بچے) پیدا کرو اور عمارتیں ویران ہو جانے کے لئے بناؤ۔ فاختہ آئی اور کچھ بولی، آپ نے اپنے اصحاب سے کہا، جانتے ہو یہ کیا کہتی ہے؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی، نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ، کاش یہ مخلوق خلق نہ ہوتی۔ کاش یہ جان لے کہ وہ کس چیز کے لئے پیدا کئے گئے۔ مور بولا، آپ نے پوچھا، جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی، نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے، جو کروگے وہ بھروگے۔ ہدہد آئی اور کچھ بولی، آپ نے اپنے اصحاب سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہتی ہے؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی، نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا،

یہ کہتی ہے، جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ایک لٹورا(ایک قسم کا جانور) آیا اور آکر کچھ بولا، آپ نے اپنے اصحاب سے پوچھا، جانتے ہو اس نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی، نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا، یہ کہتا ہے، اے گنہگارو! اللہ سے بخشش چاہو۔۔۔۔ایک ٹیڑی آئی اور اس نے کچھ کہا، آپ نے اپنے اصحاب سے پوچھا، جانتے ہو کہ یہ کیا کہتی ہے؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی، نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا، یہ کہہ رہی ہے کہ ہر زندہ ایک نہ ایک مرے گا اور ہر نیا بوسیدہ ہو گا۔ ایک (ابابیل کی مانند) پرندہ آیا، اور کچھ سر گوشی کی، آپ نے اپنے اصحاب سے کہا، جانتے ہو کہ یہ کیا کہتا ہے؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے نبی، نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا، یہ کہتا ہے، جو کچھ بھی نیکی تم اپنے آگے بھیجو گے تم اس کو (روز قیامت) اپنے آگے پاؤ گے۔ایسے ہی ایک کبوتری آپ کے پاس آئی آپ نے لوگوں سے پوچھا، جانتے ہو یہ کیا کہتی ہے، لوگوں نے نفی میں جواب دیا، آپ نے فرمایا، یہ کہہ رہی ہے کہ رب اعلیٰ پاک ہے۔۔۔۔۔حضرت سلیمان نے ان لوگوں کو یہ بھی بتایا کہا چیل کہتی ہے، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس (خدا) کے چہرے کے۔اور بلی کہتی ہے، خاموشی میں سلامتی ہے۔ اور طوطا کہتا ہے، ہلاکت ہو اس کے لئے جس کا ہم و غم دنیا کے ساتھ وابستہ ہو۔ مینڈک کہتا ہے کہ میرا قدوس رب پاک ہے۔شاہین کہتا ہے کہ پاک ہے میرا رب اپنی حمد کے ساتھ۔ کیکڑا کہتا ہے کہ وہ پاک ہے جس کا ذکر ہر زمان و مکان میں لوگوں کی زبانوں پر جاری رہا۔

مکحول کہتے ہیں، آپ کے پاس تیتر کچھ بولا، آپ نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ اصحاب نے کہا ہم نہیں جانتے، آپ نے فرمایا، یہ کہتا ہے، رحمٰن خدا عرش پر متمکن ہے۔"[8]

یہی مندرجہ بالا روایت امام زمخشری اپنی تفسیر الکشاف میں قدرے اختصار کے ساتھ لائے ہیں۔[9]

امام محمود الآلوسی اپنی تفسیر میں یہی روایت لائے ہیں اور ساتھ میں آپ نے اس بارہ میں اپنا تبصرہ بھی کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

"حضرت سلیمانؑ کو منطق الطیر ویسے ہی سکھائی گئی جیسی انسان اپنے ہی جیسے (غیر قوم کے) انسانوں کی زبان سیکھتا ہے۔اور یہ بات بھی بعید نہیں کہ ان طیور میں کچھ نفوس ناطقہ ہوں۔ مگر انسان نفس ناطق زیادہ قوی اور مکمل صورت میں ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو منطق الطیر سکھادے، یہ بات انبیاء کے ساتھ لازم نہیں ہے۔۔۔بعض علماء کے نزدیک آپ نباتات کی زبان بھی سمجھتے تھے۔جب بھی آپ کسی درخت کے پاس سے گزرتے تو اس کے فوائد و مضرات بیان کرتے۔ اس بارہ میں کوئی نص حدیث میں سے نہیں ملی۔ البتہ کئی حکماء خواص بنات اور ان کے فوائد وغیرہ بتاتے ہیں۔اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نباتات کی کوئی زبان ہے۔"[10]

امام ابن کثیر اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ بادشاہت عطا فرمائی۔ یہاں تک کہ آپ کے لئے جن و انس اور پرندوں تک کو مسخر کیا گیا۔ آپ پرندوں اور دوسرے حیوانات کی زبان بھی جانتے تھے۔اور یہ خوبی کسی بشر کو عطا نہیں ہوئی۔ اور وہ لوگ جو ین گمان رکھتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے زمانہ سے قبل حیوانات انسانوں کی طرح تکلم کیا کرتے تھے۔یہ بالبداہت باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس میں سلیمانؑ کی کیا خوبی رہی؟ کیونکہ اس دور کے سبھی لوگ حیوانات کی بولی سمجھتے ہوئے ہوں گے۔ تمام غیر انسانی مخلوقات شروع دن سے آج تک ایسے ہی ہیں۔ مگر حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے ان کی بولی سکھلا دی تھی۔ جو کچھ یہ پرندے ہوا میں ایک دوسرے سے کہتے حضرت سلیمانؑ اس کو جان لیتے، اسی لئے اللہ نے فرمایا، عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔"[11]

علامہ اسماعیل حقی اپنی تفسیر میں آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

" حضرت سلیمانؑ کو سکھائی جانے والی پرندوں کی بولی سے مراد یہ ہے کہ آپ پرندوں کی اغراض میں سے کچھ اغراض کو سمجھ جایا کرتے تھے۔"[12]

"اللہ تعالیٰ نے سات لوگوں کو سات مختلف چیزیں سکھائیں، آدمؑ کو چیزوں کے اسماء جنہوں نے بعد میں آپ کی عبادت کے طریق سجود و تحیات وغیرہ سبب بنے۔ خضر کو فراست۔ اسی جہ سے آپ کو موسیٰؑ اور یوشع جیسے تلامذہ ملے۔ حضرت یوسفؑ کو علم تعبیر رؤیا، جس سے آپ اپنے گھر والوں سے ملے اور تمکنت پائی۔ حضرت داؤدؑ کو زرہیں بنانا سکھایا جس سے آپ کو ریاست و مملکت ملی۔ حضرت سلیمانؑ کو منطق الطیر جس سے آپ کو بالآخر ملکہ بلقیس ملی۔ حضرت عیسیٰؑ کو کتاب و حکمت تورات و انجیل سکھائی جس سے آپؑ (یہود کی) تہمت کے شر سے بچے۔ اور آنحضرت ﷺ کو شریعت و توحید کامل سکھائی جس سے آپؐ نے مقام شفاعت حاصل کیا۔"[13]

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں ابن ابی حاتم کے واسطے سے روایت لکھتے ہیں، ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام بارش برسنے کی دعا کرنے کے لئے باہر نکلے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک چیونٹی زمین پر اپنی ٹانگیں آسمان کی جانب بلند کر کے زمین پر پڑی ہے اور کہہ رہی ہے، اے اللہ ہم بھی تیری مخلوق ہیں۔ ہمیں پانی سے محروم نہ رکھ۔ اگر ہمیں پانی نہیں دے سکتا تو ہمیں مار ڈال۔ اس پر حضرت سلیمانؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا، واپس چلو، کیونکہ آج تمہیں کسی اور کی دعا کی وجہ سے بارش ملے گی۔[14]

امام فیض الکاشانی اپنی تفسیر الصافی میں تفسیر القمیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"حضرت سلیمانؑ کو ہر زبان سے متعلق علم منطق، پرند، چرند اور خزند کی زبانیں سکھائی گئیں تھیں۔ جب آپ جنگوں کے معاملات دیکھتے تو فارسی زبان بولتے، جب آپ اپنے عمال، سپاہ اور مملکت کے عہدیداران سے ملتے تو رومی زبان بولتے۔ جب آپ اپنی ازواج کے پاس جاتے تو سریانی اور نبطی زبان بولتے۔ جب آپ اپنے محراب میں دعا کی غرض سے جاتے تو عربی زبان میں مناجات کرتے۔ جب بیرونی وفود سے ملتے تو عبرانی زبان بولتے۔۔۔۔ کتاب البصائر میں ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابن عباس سے کہا، ہمیں بھی سلمان بن داؤدؑ کی طرح منطق الطیر سکھایا گیا ہے۔ اور ہر جاندار جو بر و بحر میں موجود ہے اس کی زبان ہمیں آتی ہے۔۔۔۔ کتاب الکافی میں ہے کہ امام کو ہر آدمی، پرندے، جانور اور ہر ذی روح کی ہر بات سمجھ میں آتی ہے اور کچھ مخفی نہیں ہوتا۔ اگر امام میں یہ خوبیاں نہیں تو وہ امام کہلانے کا حقدار نہیں۔"[15]

علامہ وحیدالدین خاں منطق الطیر کو آپ کا معجزہ قرار دیتے ہیں:۔

"آپ کو معجزاتی طور پر کئی چیزیں عطا ہوئی تھیں۔ مثلاً چڑیوں کی بولیاں سمجھنا، ان کو تربیت دے کر انہیں خبر رسانی وغیرہ کے لئے استعمال کرنا۔"[16]

جاوید احمد غامدی صاحب اپنی تفسیر "البیان" میں تحریر کرتے ہیں:۔

"بنی اسرائیل کی روایات میں بھی اِس کا ذکر ہوا ہے کہ حضرت سلیمان کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دوسری بہت سی قوتیں دی تھیں، وہاں پرندوں کی بولی کا بھی خاص علم عطا فرمایا تھا اور اپنے اِس علم کی بنا پر وہ اُن کی تربیت کر کے اپنی فوج میں اُن سے نامہ بری، خبر رسانی اور سراغ رسانی وغیرہ کے کام لیتے تھے۔ اِس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ پرندوں کے اندر بھی کسی نہ کسی درجے میں نطق و ادراک کی صلاحیت ہے۔"[17]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ منطق الطیر کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں:۔

"کہا، اے لوگو! ہم کو علم منطق الطیر سکھلایا گیا۔ علم منطق الطیر کو یونانی میں ارنی سولوجیا۔ سنسکرت میں بسبت راج۔ عبری و برہا عَرف کہتے ہیں۔ یہ بڑا بھاری علم ہے۔ اس علم کا ایک شعبہ آوازوں سے شکاری لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں طبیب علاج میں اور سیّاح پانی۔ آبادی راستوں کا پتہ ان کے ذریعے لگاتے ہیں۔ روحانی لوگ کشف والے ان کے حالات سے اعلیٰ سے اعلیٰ عجائبات حاصل کرتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کو دونوں قسم کے فوائد ظاہری و باطنی منطق الطیر سے حاصل تھے۔۔۔ ایک منطق الطیر اس علم کا نام ہے جو انبیاء کو عطا ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو حکماء کو۔ تیسرا تجربہ کاروں کو۔ سلیمان علیہ السلام کو تینوں علم بخشے گئے۔"[18]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس کی ایک اور اعلیٰ درجہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

" غرض انہوں نے (مفسرین نے) یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی کو خوب سمجھتے تھے گو انہوں نے پرندوں میں مینڈک وغیرہ کو بھی شامل کر لیا ہے۔ مگر یہ محض استعارے اور مجاز کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔۔۔ غرض جس طرح دنیا کی ہر زبان میں مجاز اور استعارات کا استعمال پایا جاتا ہے اسی طرح الہامی کتابیں بھی ان استعارات کو استعمال کرتی ہیں۔ مگر وہ لوگ جو استعارہ اور مجاز کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ انہیں ظاہر پر محمول کر لیتے ہیں اور اس طرح خود بھی ٹھوکر کھاتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی ٹھوکر کا موجب بنتے ہیں۔ یہی حال منطق الطیر کا ہے۔ مفسرین نے صرف طیر کے لفظ کو دیکھ کر خیال کر لیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو امتیازی طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ انہیں تیتروں اور بٹیروں کی بولی بھی سکھادی تھی مگر سوال یہ ہے کہ اس بولی کے سکھانے کا فائدہ کیا تھا۔ یا تو یہ تسلیم کیا جائے کہ پرندے بھی بڑے بڑے علوم اور معارف جانتے ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس علم سے محروم رہیں اس لئے اس نے آپ کو ان کی زبان بھی سکھادی۔ مگر پرندے تو ایک جاہل سے جاہل اور غبی سے غبی انسان جتنی بھی عقل نہیں رکھتے پھر ان سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا علم سیکھنا تھا۔ پھر ان کا دماغ واقعہ میں اتنا اعلیٰ ہوتا کہ حضرت سلیمان جیسے نبی کو بھی ان سے معارف اور علوم حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو شریعت ان کو ذبح کرنے کی اجازت کیوں دیتی۔ اللہ تعالیٰ کا انسان کو ذبح کرنے کی اجازت نہ دینا اور جانوروں کی ذبح کرنے کی اجازت دینا صاف بتا رہا ہے کہ یہ امتیاز صرف دماغ کے فرق کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ اور ان کا دماغ عام انسانی دماغ سے بھی ادنیٰ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کی زبان کس حکمت کے ماتحت سکھائی گئی تھی۔ پھر مفسرین صرف یہیں تک بس نہیں کرتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی تھیں بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہُدہُد جو ایک پرندہ تھا وہ اتنی عقل اور سمجھ رکھتا تھا کہ اس نے ملکہ سبا کی باتیں سمجھیں۔ اس کے درباریوں کی باتیں سمجھیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی باتیں سمجھیں۔ مگر ہُدہُد کی باتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سوا اَور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ گویا ایک پرندہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تمام درباری علماء اور فضلاء سے بھی بڑا تھا۔ کیونکہ وہ ان سب کی باتیں سمجھتا تھا لیکن اس کی بات کو کوئی نہیں سمجھتا تھا اور اگر کوئی سمجھتا تھا تو وہ صرف حضرت سلیمان تھے۔ گویا اگر ہدہد سے کسی کو برابری حاصل تھی تو صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو تھی باقی جتنے امراء اور وزراء تھے وہ سب اُس "کھٹ بڑھئی" سے نیچے تھے۔ یہ اتنا احمقانہ نقشہ ہے کہ اس کو ایک معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ اگر یہ بات مانی جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ پرندے انسان سے افضل ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ پرندوں کو ذبح کرنا جائز نہیں ہاں انسان کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے کیونکہ پرندے نعوذ باللہ انسان سے افضل ہیں۔ یہ تو "اندھیر نگری چوپٹ راجہ" والی بات ہو گی جس کو کوئی بھی معقول انسان

تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ایک استعارہ اور مجاز ہے جس کو لوگوں نے نہ سمجھا اور وہ صحیح راستہ سے بھٹک کر دور از کار ابحثوں میں الجھ کر رہ گئے۔ طیر عربی زبان میں اڑنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ اور استعارۃً اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو عالم روحانی کی فضاؤں میں پرواز کرتے اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور اس کے محبوب ہوتے ہیں۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ایک الہام بھی ان معنوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ آپ کو ایک دفعہ الہام ہوا کہ :۔ "ہزاروں آدمی تیرے پروں کے نیچے ہیں" (تذکرہ ص ۶۵۰) اب ظاہر ہے کہ پَر ہمیشہ پرندوں کے ہی ہوا کرتے ہیں اور پرندے کے پروں کے نیچے بیٹھنے والے بھی پرندے ہی ہوتے ہیں۔ گویا اس الہام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی پرندہ قرار دیا گیا۔ اور پھر یہ بھی بتایا گیا کہ وہ لوگ جو آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے والے ہیں۔ وہ بھی عالم روحانی کے پرندے ہیں۔ اس الہام نے قرآن کریم کی اس آیت کی تشریح کر دی اور بتادیا کہ طیر سے مراد جسمانی پرندے نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف پرواز کرنے والے ہیں۔ ان برگزیدہ لوگوں کو استعارۃً اس لئے بھی پرندہ کہا جاتا ہے کہ پرندہ آسمان کی طرف اڑتا ہے اور علوم سماوی آسمان سے نیچے کی طرف اترتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی چیز اوپر سے نیچے کی طرف آرہی ہوگی تو وہ سب سے پہلے اسی کو ملے گی جو اوپر پرواز کر رہا ہو گا۔ پس عالم روحانی کی فضاؤں میں پرواز کرنے والے کو اس لئے بھی پرندہ کہا جاتا ہے کہ آسمانی علوم اور اسرار غیبی جو اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے انہی لوگوں کو الہام یا رؤیا یا کشوف کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں جو اوپر پرواز کر رہے ہوں۔ اور انہی آسمانی طیور کو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اپنے فیوض سے متمتع فرماتا ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کی صحبت میں آکر بیٹھتے ہیں وہ بھی اپنے اپنے اخلاص اور درجہ کے مطابق ان فیوض سے مستفیض ہوتے چلے جاتے ہیں۔ غرض طیر کے اس مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ کے یہ معنے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ اے لوگو! مجھے بھی وہ بولی سکھائی گئی ہے جو بلندی کی طرف پرواز کرنے والے لوگوں کو سکھائی جاتی ہے یعنی نبیوں کے معارف اور حقائق اور یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام نبی نہیں تھے بلکہ صرف ایک بادشاہ تھے۔"[19]

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع، مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ اپنے ترجمۃ القرآن میں اس مقام پر فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔
" "طیر" بمعنیٰ بلند خیال انسان (غریب القرآن)" [20]

## (3) نملة سے قبل منطق الطیر کا بیان اور ان کا باہمی تعلق

امام القرطبی اس بارہ میں اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:۔
"قتادۃ اور شعبی نے لکھا ہے کہ چیونٹی بھی پرندوں کی ایک قسم ہے، کیونکہ بعض دفعہ اس کے دو پر بھی ہوتے ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ اس چیونٹی (جس کا مکالمہ حضرت سلیمانؑ کے ساتھ ہوا) کے دو بھی تھے۔ بعض اور علماء نے لکھا ہے کہ منطق الطیر سے مراد جمیع بہائم وحیوانات ہیں۔ یہاں طیور کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ آپ کے جند تھے، جب بھی آپ کو سورج کی گرمی سے بچنے کے لئے سایہ کی ضرورت ہوتی تو یہ آپ پر سایہ کرتے۔ طیور کو ذکر مخصوص طور پر اس لئے کیا گیا کہ آپ کا زیادہ تر واسطہ انہی کے ساتھ پڑتا۔"[21]

## (4) جنود سلیمان

امام زمخشری اپنی تفسیر الکشاف میں اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت سلیمانؑ کے جنود کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا لشکر ایک سو فراسخ یعنی (300 میل) تک پھیلا ہوتا۔ پچیس فراسخ پر جنّ، پچیس فراسخ پر انسان، پچیس فراسخ پر پرندے اور پچیس فراسخ پر بہائم ہوتے۔ آپ کے لکڑی پر ایستادہ شیشے کے بنے ہوئے ایک ہزار گھر تھے آپ کی تین سو (منکوحہ) ازواج ہوتیں اور سات سو سریۃ ہوتیں۔ جنّ آپ کے لئے ریشم و سونے کی تار سے بنی بساط بچھاتے۔ آپ کا منبر اس بساط کے درمیان میں رکھا جاتا۔ آپ اس منبر پر بیٹھتے اور اس کے گرد چھ لاکھ سونے اور چاندی کی کرسیاں رکھی جاتیں۔ سونے کی کرسیوں پر انبیاء براجمان ہوتے چاندی کی کرسیوں پر علماء بیٹھتے ۔ ان کے گرداگرد لوگ بیٹھتے اور لوگوں کے گرد جنّ اور شیاطین بیٹھتے۔ آپ کے اوپر پرندے سایہ کر کے رکھتے اور سورج کی گرم شعاعیں آپ تک نہ پہنچتیں۔ اس ساری سجی سجائی بساط کو ہوا اٹھا کر ایک ماہ کی مسافت کے برابر اڑاتی۔"[22]

اسی بات کو امام القرطبی نے بھی لکھا ایک ساتھ میں ایک بات کا اضافہ فرمایا، آپ لکھتے ہیں:۔

"درست بات یہ ہے کہ آپؑ کا لاؤ لشکر بہت بڑا تھا، زمین اس سے بھری رہتی۔"[23]

امام الآلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ایک بات مندرجہ بالا روایت سے کسی قدر مختلف لکھی، آپ لکھتے ہیں:۔

"ابن ابی حاتم سعید بن جبیر کے واسطے سے بیان کرتے ہیں، حضرت سلیمانؑ کے لئے تین لاکھ کرسیاں رکھی جاتیں جن پر پہلے ایمان لانے والے انسان بیٹھتے پھر ایمان لانے والے جنّ بیٹھتے۔ پھر پرندوں کو حکم ہوتا کہ ان سب پر سایہ کریں۔ پھر ہوا ان سب کو اٹھا کر لے جاتی۔ یہ ہوا ایسی تھی کہ اپنے نیچے (کھیت میں اُگی) گندم کی ایک بالی تک کو ہلاتی۔"[24]

امام اسماعیل حقی نے اس بارہ میں ایک مختلف بات لکھی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

" یہ تمام جند (لشکر) دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے جند ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے، وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر:32) یعنی تیرے رب کے لشکروں کے بارہ میں کوئی نہیں جانتا مگر وہ۔ سو مچھر نمرود پر مسلط ہونے والا لشکر تھے۔ اصحاب الفیل پر ابابیل، اسی طرح ہدہد بھی ایک لشکر ہی تھا۔ کبوتری اور مکڑی ایسا لشکر تھے کہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی مدد کی۔ یہ جند حضرت سلیمانؑ نے شام سے یمن کی طرف سفر کرنے کے لئے کیا۔"[25]

علامہ وحید الدین خاں اس بارہ میں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں نا صرف انسان تھے بلکہ جنّات اور پرندے بھی آپ کی فوج میں شامل تھے۔"[26]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ جنود سلیمان کی اصل حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"بعض نے لفظ جنّ کی ایسی توجیہ کی کہ جس کا ثبوت عربی زبان یا حضرات صحابہ سے نہیں دیا گیا۔ بعض نے کہا کہ مخاطب لوگ چونکہ جنّ کو ایک مخلوق مانتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے مسلمات کے لحاظ سے اس لفظ کو استعمال کیا۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ قرآن مجید میں جو کچھ بیان

ہوتا ہے بلحاظ واقعات حقہ کے ہوتا ہے۔ جنّ کے معنے جو چیز عام نظروں میں نہ آوے۔ مثلاً آجکل طاعون کا کیڑا جو عام نظروں میں تو نہیں آ سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے حجت قائم کرنے کو اس کیڑے کو پیدا کر دیا۔ اور وہ دیکھے گئے۔ غرض شریر، گندہ، مشرک بڑے کافر کو بھی جنّ کہا ہے۔ اس سے بدتر وہ ارواح خبیثہ ہیں جن سے بدی کے تحریک ہوتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کے وقت شریر بڑے سردار اور کچھ پہاڑی لوگ بھی تھے۔ ان کو جنّ کہا گیا ہے۔ طیر بہادر سوار۔ عرب میں بہاردوں اور عمدہ فوجوں کی تعریف یہ بھی کی جاتی ہے۔ کہ ان کے ساتھ پرندے رہتے ہیں۔ یعنی یہ دشمن کو ہلاک کرتے ہیں اور پرندے ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھاتے ہیں اور ان کے دفن کا مجاز نہیں ہوتا۔"[27]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جنّات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

" جنّات کا لفاظ سامنے آتے ہی مفسرین کا ذہن پھر اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی غیر مرئی مخلوق ہے جو حضرت سلیمان کے قبضہ میں تھی۔ حالانکہ اگر وہ قرآن کریم پر غور کرتے تو انہیں اس قدر دور از کار تاویلات کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ جنّات کی حقیقت پر غور کرنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا قرآن کریم میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہی ذکر آتا ہے کہ انکے پاس جنّ تھے یا کسی اور نبی کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ اس کے پاس جنّ آئے۔ اس غرض کے لئے جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں سورۃ احقاف میں یہ آیات نظر آتی ہیں:۔

وَاِذْصَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًامِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔فَلَمَّاحَضَرُوْہُ قَالُوْٓااَنْصِتُوْا۔فَلَمَّاقُضِیَ وَلَّوْااِلٰی قَوْمِھِمْ مُّنْذِرِیْنَ۔قَالُوْایٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتَابًااُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْادَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوابِہٖ یَغْفِرْلَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔(احقاف ع۴) فرماتا ہے اس وقت کو بھی یاد کرو جبکہ ہم جنوں میں سے کچھ لوگوں کو تیری طرف لائے جو قرآن سننے کی خواہش رکھتے تھے۔ جب وہ تیری مجلس میں پہنچے تو کہنے لگے۔ چپ کرو۔ تاکہ اس کی آواز ہمارے کانوں میں اچھی طرح پڑے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت ختم ہو گئی تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے اور کہنے لگے۔ اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب کی تلاوت سنی ہے ۔ جو موسیٰؑ کے بعد اتاری گئی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے اتری ہیں ان سب کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف بلاتی اور سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ اے قوم، اللہ تعالیٰ کے منادی کی آواز کو سنو اور اسے قبول کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچائے گا۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنّ تورات پر۔ حضرت موسیٰؑ پر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے تھے۔ پس سلیمان ہی ایک ایسے نبی نہیں جن پر جنّ ایمان لائے۔ بلکہ موسیٰؑ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جنّات ان پر ایمان لائے۔ مگر افسوس ہے کہ مفسرین حضرت سلیمانؑ کے جنوں کے متعلق تو عجیب عجیب قصے سناتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام قالین پر بیٹھ جاتے اور چار جنّوں کو چار گوشے پکڑوا دیتے اور وہ انہیں اُڑا کر آسمانوں کی سیر کراتے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو جنّ ایمان لائے ان کے متعلق کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کرتے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی ایسی مدد کی ہو

حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر سفر کرتے تھے۔ آپ کے صحابہؓ کو کئی دفعہ سواریاں نہ ملتیں اور وہ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہتے کہ ہمارے لئے کسی سواری کا انتظام فرمادیجئے تو ہم جانے کے لئے حاضر ہیں۔ کئی دفعہ صحابہؓ نے ننگے پیر لمبے لمبے سفر کئے ہیں۔ مگر یہ تمام دکھ اور تکلیفیں دیکھنے کے باوجود ان سنگدل جنّوں کا دل نہ پسیجا وہ حضرت سلیمان کے وقت تو لشکر کا لشکر اٹھا کر دوسری جگہ پہنچا دیتے تھے اور یہاں ان سے اتنا بھی نہ ہوا کہ دس بیس مہاجرین کو ہی اٹھا کر میدان جنگ میں پہنچا دیتے۔۔۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگ بڑے متکبر اور سرکش ہوتے ہیں جو کسی دوسرے کی اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ مگر جب انبیاء کے سامنے آتے ہیں تو یکدم ان کی حالت بدل جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی دیکھ لو۔ ابتداء میں وہ اسلام کی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے اور ایک دفعہ تو انہیں یہاں تک جوش آیا کہ تلوار سونت لی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ کے رعب کی وجہ سے کانپنے لگ گئے۔ تو بعض طبائع ناری ہوتی ہیں۔ مگر جب نبیوں کے سامنے جاتی ہیں تو ٹھنڈی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ایسی طبائع رکھنے والے انسانوں کو عربی زبان میں جنّ کہتے ہیں۔ اسی طرح جنّوں سے وہ لوگ بھی مراد ہوتے ہیں جو محلّات میں رہتے ہیں اور ان کے دروازہ پر آسانی سے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔ چنانچہ لغت میں لکھا ہے جِنُّ النَّاسُ مُعَظَّمُهُم (اقرب) یعنی جنّ لفظ انسانوں میں سے بڑے آدمیوں کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ ان کی حفاظت کے لئے بڑے بڑے مضبوط پہرہ دار مقرر ہوتے ہیں اور ہر شخص آسانی سے ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ پرانے زمانہ میں تمام بڑے بڑے بادشاہوں کا یہ دستور تھا کہ وہ خاص خاص مقاموں پر لڑنے کے لئے اور اپنے باڈی گارڈز کے طور پر اعلیٰ قبیلوں کے آدمیوں کو بھرتی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جرمن کے بادشاہ وِل ہیلم نے بھی ایسا دستہ بھرتی کیا ہوا تھا۔ اور نپولین نے بھی ایسا دستہ بھرتی کیا ہوا تھا اور ہندوستان کے بادشاہ اکبر نے بھی باہرہ کے سیدوں میں سے ایسا دستہ بھرتی کیا ہوا تھا۔ چنانچہ جب اکبر نے چتوڑہ کے قلعہ پر حملہ کیا اور وہ قلعہ جلد فتح نہ ہو سکا تو اکبر نے ان رجمنٹوں کو جو باہرہ کے سیدوں میں سے بھرتی ہوئی تھیں حکم دیا کہ وہ چتوڑ پر حملہ کریں اور وہ اس وقت تک کٹ کٹ کر مرتے چلے گئے جب تک کہ چتوڑ کے قلعہ کی دیواروں میں رخنہ پیدا نہ ہو گیا۔ چنگیز خاں نے بھی ایک خاص قبیلہ میں سے اپنی حفاظت کا دستہ بھرتی کیا تھا۔ جس کو بڑی عزت دی جاتی تھی۔ اور اس دستہ کے افسروں کو بادشاہ کے دربار میں خاص مقام پر بٹھایا جاتا تھا۔۔۔ اس جگہ پر جو جنّ کا لفظ بولا گیا ہے وہ ایسے ہی خاص دستوں کے لئے بولا گیا ہے۔ کیونکہ ان دستوں میں معزز خاندانوں کے افراد بھرتی کئے جاتے تھے جو گھروں میں اور پہروں کے پیچھے رہنے کے عادی ہوتے تھے اور جنّ کہلانے کے مستحق تھے جس کے معنے پوشیدہ وجود کے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو عام طور پر نظر نہیں آتے اور پوشیدہ رہتے تھے۔ چنانچہ لغت میں لکھا ہے کہ جنّ کے معنے ہر ایسی چیز کے ہوتے ہیں جو حواس سے چھپی ہوئی ہو (اقرب) یعنی جن کی آوازیں سنائی نہ دیں۔ اور آنکھوں کو نظر نہ آئیں۔ گویا دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے لوگ یا دوسرے لفظوں میں امراء جیسا کہ لغت نے واضح معنے اس کے امراء بھی کر دیئے ہیں۔ پس حضرت

سلیمان علیہ السلام کا لشکر تین قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا(۱) امراء کا خاص حفاظتی دستہ۔(۲) عوام الناس کی فوج۔(۳) روحانی لوگوں کا دستہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کو الگ الگ کھڑا کیا کرتے تھے۔"[28]

## (5) وَادِ النَّمْلِ سے مراد

امام اسماعیل حقی بیان کرتے ہیں:۔

" وَادِ النَّمْلِ کا مطلب ہے کہ ایسی وادی جہاں چیونٹیاں کثرت سے موجود تھیں۔ یہاں اس سے مراد یا تو شام میں ایک وادی ہے یا طائف میں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک ایسی وادی تھی جہاں جنّ سکونت پذیر تھے اور چیونٹیاں ان کی سواریوں کے طور پر استعمال ہوتیں۔"[29]

پادری وھیری صاحب نے بھی بعینہ یہی مؤقف اپنی تفسیر میں اپنایا ہے۔

"Valley of ants. "The valley seems to be so called from the great number of ants which are found there. Some place it in Syria and others in Tayif.".[30]

امام القرطبی نے بھی مندرجہ بالا بات بیان کی ہے۔[31]

امام زمخشری نے بھی اس کو شام کی ایک وادی قرار دیا ہے۔"[32]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ واد النمل کی جغرافیائی تعیین کرتے ہوئے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"طائف کے پاس سونے کے ذرات نکلنے کا ایک نالہ ہے۔۔۔ قاموس اللغۃ میں برقہ لغت کے نیچے لکھا ہے البرقة من مياه النملة یعنی برقہ نملہ قوم کے پانیوں میں سے ایک چشمہ ہے۔ طائف عرب کا ایک مشہور شہر ہے اس کے اور یمن کے درمیان یہ وادی نملہ واقع ہے۔ اس وادی میں سے سونا نکلتا ہے۔"[33]

امام الآلوسی بیان کرتے ہیں:۔

"وادی نمل شام میں ایک وادی تھی جیسا کہ مقاتل اور قتادۃ نے بیان کیا۔ کعب کہتے ہیں، یہ طائف کی السدیر نامی ایک وادی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یمن سے کچھ دور جگہ تھی، عرب اشعار میں اس کا خوب تذکرہ ہے۔"[34]

جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:۔

" یعنی جس میں چیونٹیاں بہت تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ چیونٹیوں کی اِسی کثرت کے باعث اُسے وادی النمل کہا جاتا ہو۔ اِس وادی کا یہ قصہ بنی اسرائیل کی روایتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔"[35]

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ اس وادی کے بارہ میں اپنی تفسیر، تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:۔

" مفسرین نے جس طرح جنّوں اور پرندوں کے متعلق مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اسی طرح وادی النمل کے متعلق بھی بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔۔۔ حالانکہ پہلی بات جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ نملہ سے مراد چیونٹی نہیں ہے کہ اوپر ذکر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر سکھائی تھی۔ مگر اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ چیونٹی بولی تو حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس نے کیا کہا ہے۔ حالانکہ

جب دعویٰ یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی آتی تھی تو دلیل میں کسی پرندے کی مثال پیش کرنی چاہیئے تھی۔ مگر مفسرین کہتے ہیں کہ چیونٹی بولی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو فوراً سمجھ آگئی جو عُلِّمْنَامَنْطِقَ الطَّیْرِ کا ثبوت ہے۔ حالانکہ چیونٹی پرندہ نہیں۔ پس نملہ سے مراد اگر چیونٹی لی جائے تو یہ دلیل بالکل عقل میں نہیں آسکتی۔ قرآن جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی آتی تھی۔ اور وہ اس کو سمجھتے تھے مگر بولنے لگ جاتی ہے نملہ۔ اور وہ اس بات کو سمجھ جاتے ہیں۔ غرض پہلی بات جو اس ضمن میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ نملہ کیا چیز ہے؟

دوسری چیز یہ قابل غور ہے کہ یہاں حطم کا لفظ آتا ہے اور حطم کے معنے توڑنے اور غصہ سے حملہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ عام طور پر لوگ اس کا ترجمہ یہ کر دیتے ہیں کہ سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں اپنے پیروں کے نیچے نہ کچل دیں۔ مگر یہ حطم کے درست معنی نہیں۔ عربی میں حطم کے معنے توڑ دینے اور غصہ میں حملہ کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں دوزخ کی آگ کا ایک نام حطمه بھی رکھا گیا ہے کیونکہ وہ جلا دیتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ آگ کے پیر ہوں گے اور وہ لوگوں کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل دے گی۔ پس لَایَحْطِمَنَّکُمْ کے معنے یہ ہوئے کہ ایسا نہ ہو سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں توڑ دے یا غصہ سے حملہ کر دے اور تباہ کر دے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت سلیمان جو اتنے بڑے نبی تھے جن کے پاس حبوبؓ ں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر در لشکر تھے کیا ان کا سارا غصہ چیونٹی پر نکلنا تھا اور کیا ان سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ چیونٹیوں پر حملہ کرنے لگ جائیں گے۔ میں بتا چکا ہوں کہ لَایَحْطِمَنَّکُمْ کے معنے پیروں میں مسل دینے کے نہیں بلکہ طاقت کو توڑ دینے اور حملہ آور ہونے کے ہیں۔ اسی لئے عربی زبان میں قحط کو حاطوم کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے ملک کی طاقت ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر یہ معنے کئے جائیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا چیونٹیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر کلہاڑیاں اور کدالیں لے کر آجائے اور ہماری بلوں کو کھود کھود کر غلّہ کے دانے نکال لے اور اس طرح ہماری طاقت کو توڑ دے۔ مگر کیا کوئی عقلمند ان معنوں کو درست تسلیم کر سکتا ہے؟

تیسری دلیل جو نہایت ہی بیّن اور واضح ہے وہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے جتنے صیغے استعمال کئے ہیں سب وہ ہیں جو ذی العقول کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اُدْخُلُوْا کا لفظ آتا ہے۔ حالانکہ چیونٹیوں کے لحاظ سے اُدْخُلْنَ کا لفظ آنا چاہیئے تھا اسی طرح لَایَحْطِمَنَّکُمْ میں کُمْ کا لفظ آتا ہے۔ حالانکہ کُنَّ کا لفظ آنا چاہیئے تھا۔ پس قرآن مجید کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ کوئی انسان تھے جن کے لئے کُمْ اور اُدْخُلُوْا وغیرہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ پھر وَھُمْ لَایَشْعُرُوْنَ کہہ کر بھی اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ چیونٹیاں نہیں تھیں۔ کیونکہ لشکر تو الگ رہے چیونٹیاں تو نبیوں کے پاؤں کے نیچے بھی آجاتی ہیں۔ پس اگر اس جگہ نملہ سے مراد چیونٹی لی جائے تو یہ کہنا کہ سلیمان اور اس کا لشکر تو کو بے جانے اپنے پاؤں کے نیچے کچل نہ دے ایک بالکل بے معنے فقرہ بن جاتا ہے۔ کیا دنیا کی کسی بھی مذہبی کتاب میں لکھا ہے۔ خواہ اسلامی ہو یا قبل از اسلام کی کوئی اور کتاب کہ کوئی نبی سر جھکا کر زمین کی طرف دیکھتے ہوئے چلتا تھا کہ کہیں کوئی چیونٹی اس کے پیروں کے نیچے نہ آجائے۔

حقیقت یہ ہے کہ وادی النمل کوئی چیونٹیوں کی وادی نہیں تھی بلکہ ایک حقیقی وادی تھی جس میں انسان بستے تھے۔ چنانچہ تاج العروس جو لغت کی مشہور کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ شام کے ملک جبرین اور عسقلان کے درمیان ایک علاقہ ہے جسے وادی النمل کہا جاتا ہے اور عسقلان کے متعلق تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ ساحل سمندر کے بڑے بڑے شہروں میں سے ایک شہر ہے جو غزہ سے سینا کے ملحق فلسطین کی ایک بندر گاہ ہے بارہ میل اوپر شمال کی طرف واقع ہے۔ اور جبرین شمال کی طرف ایک شہر ہے جو ولایت دمشق میں واقع ہے۔(تقویم البلدان ص ۲۳۸ و معجم البلدان جلد ۶ ص ۱۷۴)

پس وادی النمل ساحل سمندر پر یروشلم کے مقابل پر یا اس کے قریب دمشق سے حجاز کی آتے ہوئے ایک وادی ہے جو اندازاً دمشق سے سو میل نیچے کی طرف تھی ان علاقوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت تک عرب اور مدین کے بہت سے قبائل بستے تھے (مقام کی وضاحت کے لئے دیکھو نقشۂ فلسطین و شام بعہد قدیم و عہد جدید نیلسنز انسائیکلوپیڈیا) "[36]

## (6) النَّمْلة سے مراد

امام القرطبی فرماتے ہیں:۔

" شعبی کہتے ہیں کہ اس چیونٹی کے دو پَر تھے، جس کی وجہ سے قرآن اس کو پرندہ قرار دیتا ہے۔ اسی لئے آپ اس کی زبان سمجھ سکے تھے۔۔۔ کعب کہتے ہیں، حضرت سلیمانؑ وادی سدیر سے گزرے جو کہ طائف میں ایک وادی ہے۔ آپ وادی نمل پہنچے۔ ایک چیونٹی لنگڑاتے ہوئے آئی اور کھڑی ہوئی۔ اس نے بآواز بلند کہا، یَا أَیُّھَا النَّمْلُ ۔ سہیلی کہتے ہیں، یہ چیونٹی حرمیا کے نام سے موسوم تھی۔"[37]

ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے صاحب تفسیر لکھتے ہیں کہ،

" مجھے علم نہیں کہ اس چیونٹی کا نام کیسے ملتا ہے، کیونکہ چیونٹیاں تو ایک دوسرے کا نام نہیں پکارتیں۔۔۔ اگر تو یہ درست ہے تو اس کی توجیہ یوں کی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے جس چیونٹی نے حضرت سلیمانؑ کے ساتھ کلام کیا اس کا نام صحف آسمانی تورات زبور وغیرہ میں آیا ہو۔ اور سلیمان سے قبل انبیاء بھی اس سے واقف ہوں۔ اور اس کے ایمان اور نطق کی خصوصیت کی وجہ سے اس کا نام رکھا گیا ہو۔"[38]

امام اسماعیل حقی نے اس چیونٹی کے حجم اور اس کے کچھ اور ناموں کے بارہ میں لکھا ہے، آپ کہتے ہیں:۔

"اس چیونٹی کے دو پَر تھے۔ اس کا حجم ایک مرغے یا چھوٹی بکری یا بھیڑئے جتنا بتایا جاتا ہے۔ یہ باقی تمام چیونٹیوں کی ملکہ تھی۔ اس کے اسماء میں منذرۃ، طاخیۃ، اور جرمی آتے ہیں۔ صحف آسمانی تورات زبور وغیرہ میں اس کا نام آیا ہے۔ اور سلیمان سے قبل انبیاء بھی اس سے واقف تھے۔ اور صرف یہی چیونٹی نطق کی خاصیت سے سرفراز تھی۔"[39]

امام زمخشری نے مندرجہ بالا روایات ہی بیان فرمائی ہے، تاہم آپ نے کچھ اضافہ کیا، آپ فرماتے ہیں:۔

"سلیمانؑ نے اس چیونٹی کا کلام (یَا أَیُّھَا النَّمْلُ) تین میل کی دوری سے سن لیا تھا۔ یہ چیونٹی لنگڑی تھی۔ اس کا م طاخیۃ تھا۔"[40]

علامہ ابن کثیر اس کے نام اور قبیلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس چیونٹی کا نام حرس تھا۔ اور اس کے قبیلہ کا نام بنوشیصان تھا۔"[41]

امام الآلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں:۔

"بحر کہتے ہیں کہ اس چیونٹی کا بولنا حضرت سلیمانؑ کے معجزات میں سے ہے۔ جیسا کہ گوہ اور گدھے نے آپ ﷺ کے ساتھ کلام کیا۔ حضرت سلیمانؑ نے تین میل کی مسافت کی دوری سے ہی اس کی بات سن لی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس چیونٹی نے بھی آپ کے لشکروں کے آنے سے پہلے تین میل کی مسافت کی دوری سے ہی محسوس کر لیا تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے یہ آواز اپنی مسخّر کردہ ہواؤں کی وجہ سے سن لیا۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ یہ ممکن ہے کہ ان میں نفس ناطقہ ہو۔ ان میں یہ عادت تو ہے کہ یہ گرمیوں میں اپنا کھانا ذخیرہ کرتی ہیں۔ ان بیجوں کو جو اگ سکتے ہیں ان کو دو حصوں میں اور جو دھنیے کے بیج کی طرح دو حصوں میں بھی بٹ کر اگنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو چار حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں تا کہ وہ اگ نہ سکیں اور ان کی خوارک بن کر محفوظ رہیں۔ اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ان میں نفس ناطقہ موجود ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت کی چیونٹیوں میں اللہ نے نطق رکھا ہو جو کہ آجکل کی چونٹیوں میں ناپید ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چیونٹی کو اللہ نے حضرت سلیمانؑ کی آمد کی خبر الہاماً دی ہو۔"[42]

**کیا یہ چیونٹی مذکر تھی یا مؤنث؟**

اس سوال کے جواب میں علامہ زمخشری اپنی تفسیر میں ایک روایت لائے ہیں، آپ فرماتے ہیں:۔

"قتادۃ سے روایت ہے کہ وہ کوفہ داخل ہوئے اور آپ کو دیکھ کر لوگوں کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا، جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو، اس بھیڑ میں امام ابو حنیفہ بھی تھے، جو اس وقت ایک چھوٹے سے بچے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے لوگوں کو کہا کہ ان سے پوچھو کہ (قرآنی بیان میں موجود) نملۃ مؤنث تھی یا مذکر؟ جب لوگوں نے قتادۃ سے یہ سوال کیا تو آپ لاجواب ہو گئے۔ اس پر امام ابو حنیفہ بولے کہ وہ مؤنث تھی۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ مؤنث تھی؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ سے، اور اللہ کا قول ہے (قَالَتْ) اگر وہ مذکر ہوتی تو فرماتا، (قَالَ)"[43]

امام الآلوسی نے اس مندرجہ بالا قول سے بر خلاف ایک مؤقف اپنایا، آپ فرماتے ہیں:۔

"یہاں (قَالَتْ نَمْلَة) میں فعل کی تانیث اسم (نَمْلَة) کی ظاہری حالت (یعنی اسم کی مؤنث ہونا) کی وجہ سے ہے۔ اس سے یہ دلیل قائم نہیں ہوتی کہ کیونکہ چیونٹی مؤنث تھی اس لئے فعل بھی تانیث کا استعمال ہوا۔"[44]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ النملة کا اصل معنٰی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"برقہ نملہ کے پانیوں میں سے ہے۔ اس وادی میں سونے کے ذرات ریگ میں ہیں۔ وہ لوگ ان باریک ذرات کو چن کر گزارا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا نام نملۃ ہوا۔ جیسے اب بھی کیرا سائل کو کہتے ہیں۔ جو ایک ایک لقمہ ہر گھر سے لے کر جمع کرتا ہے۔ ضلع شاہ پور میں ڈڈو (مینڈک)، چوہا، لومڑ (ثعلب) وغیرہ اقوام اب بھی موجود ہیں۔ پنڈ دادن خان میں کیڑیانوالی گلی (کوچہ) ہے اس میں قوم کیڑے رہتے ہیں۔ ہارون الرشید

بھی دورہ کرتے کرتے اس وادی میں گیا۔ تو اتفاقاً اس وقت بھی ان کی نمبر دار نملة (عورت) ہی تھی۔ اس نے ایک کیسہ سونے کے ذرات کا ہدیہ ہارون رشید کے پاس پیش کیا۔ ہارون رشید نے تعجب کیا کہ تم غریب آدمی ہو۔ تمہارے کام آوے گا۔ نملة نے کہا جب حضرت سلیمان علیہ السلام اس وادی میں آئے تھے تو ہمارے بڑوں نے اس کو بھی یہی ہدیہ پیش کیا تھا۔ اب تو اس امت کا سلیمان ہے۔"[45]

## (7) حضرت سلیمانؑ اور نملة کے مابین گفتگو

### (الف) نملة حضرت سلیمان کو کیسے جانتی تھی؟

سب سے پہلے تو یہ سوال اٹھتا ہے کہ ایک چیونٹی حضرت سلیمانؑ کو کیسے جانتی تھی؟

علامہ اسماعیل حقی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ چیونٹی حضرت سلیمان کو کیونکر جانتی تھی؟ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ کیونکہ چیونٹی حضرت سلیمانؑ کی اطاعت پت مامور تھی اس لئے اس کا آپ کا جاننا ضروری تھا۔"[46]

### (ب) کیا حیوانات میں عقل وخرد ہوتی ہے؟

امام القرطبی اپنی تفسیر میں حیوانات میں عقل و فہم کی موجودگی کے حوالے سے مختلف علماء کے اقوال لائے ہیں، آپ فرماتے ہیں:۔

"اس میں علماء کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ جانوروں میں عقل و فہم ہوتی ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں، کبوتر سب سے زیادہ عقلمند ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ چیونٹی بہت مضبوط اور قوی ہے اور اس کی سونگھنے کی حس ّنہایت تیز ہے۔۔ وہ ان بیجوں کو جو اگ سکتے ہیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے تاکہ وہ اگ نہ سکیں۔ اور جو دھنیے کے بیج کی طرح دو حصوں میں بھی بٹ کر اگنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو چار حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں تا کہ وہ اگ نہ سکیں اور ان کی خوارک بن کر محفوظ رہیں۔ وہ ایک سال میں جو کچھ اس نے خوراک میں جمع کیا ہوتا ہے اس کا نصف استعمال کرتی ہے اور باقی بچا کر رکھتی ہے۔۔۔ ابو مظفر شاہنور کہتے ہیں کہ، کچھ بعید نہیں کہ حیوانات کو عالم انسانی، اللہ کی واحدانیت وغیرہ کا بھی علم ہو۔ اس بات کی سمجھ ہمیں نہیں ہے۔"[47]

جناب جاوید احمد غامدی صاحب اپنی تفسیر "البیان" میں اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"بعض چیونٹیاں آواز بھی نکالتی ہیں۔ آیت سے متبادر ہوتا ہے کہ یہ غالباً اِسی قسم کی چیونٹیاں تھیں۔"[48]

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نملة کا معنٰی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اب رہ گیا نملہ سو قاموس میں البرق کے ماتحت لکھا ہے۔ وَالابْرِقَةُ مِنْ صَيَاهِ النَّمْلَةِ (قاموس جلد ۳ص ۲۱۹) کہ نملہ قوم کے چشموں سے میں سے ایک چشمہ کا نام ابرقہ تھا۔ غرض لغت اور جغرافیہ کی مدد سے ہمیں نملہ قوم بھی مل گئی اور وادی النمل کا بھی پتہ چل گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ علاقہ شام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاقہ کے نزدیک تھا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کے نام پرانے زمانہ میں بڑے معقول تھے چنانچہ جنوبی امریکہ میں بعض قوموں کے نام بھیڑیا، سانپ، بچھو اور کنکھجورا وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ بلکہ ہمارے ملک میں ہی ایک قوم کا نام کاڈھا ہے

۔نورالدین کاڈھالاہور کے ایک مشہور شخص ہوئے ہیں۔اسی طرح ایک قوم کانام کیڑے ہے۔ایک کانام مکوڑے ہے۔کشمیر میں ایک قوم کانام ہاپت ہے جس کے معنے ریچھ کے ہیں۔اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام جب ملکہ سباپر حملہ کرنے کے لئے اپنے ملک سے یمن کی طرف چلے توان کا گذر نملہ قوم کی وادی میں سے ہوا۔ جس کو غلطی سے مفسرین نے چیونٹیوں کی وادی بنالیاہے۔"[49]

**(ج) گفتگو کااحوال**

اس گفتگو کے بارہ میں ابو اسحٰق ثعلبی بیان کرتے ہیں کہ میں بعض کتب میں پڑھا کہ حضرت سلیمانؑ نے چیونٹی سے پوچھا کہ تم نے میرے بارہ میں دوسری چیونٹیوں کو کیوں ڈرایا؟ کیاتم میرے ظلم سے ڈری؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ میں ایک غیر معمولی عادل بادشاہ ہوں؟ چیونٹی بولی کیا آپ نے میری بات(وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ) کو نہیں سنا؟ دوسری بات یہ کہ میں لوگوں کو(زیراقدام) تباہ کرنے کی بات نہیں کی بلکہ دلوں کی تباہی کی بات کی کہ ان چیونٹیوں کے دل آپ کی جاہ وحشم دیکھ اس کی تمنّانہ کر بیٹھیں۔اور ذکر الٰہی سے غافل نہ ہو جائیں۔اس پر حضرت سلیمانؑ نے اس سے کہا مجھ وعظ کرو! اس پر چیونٹی بولی، کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے والد کا نام داؤد کس وجہ سے تھا؟حضرت سلیمانؑ بولے نہیں، چیونٹی نے کہا، کیونکہ وہ بیمار دلوں کی دوا کرتے اور ان کو شفاعطا کیا کرتے تھے۔کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کانام سلیمان کس وجہ سے ہے؟حضرت سلیمانؑ بولے نہیں، چیونٹی نے کہا، کیونکہ آپ نے فرمانبر دار دل کے ساتھ وہ سب قبول کیاجو آپ کو دیا گیا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے لئے ہوا کیوں مسخر کی گئی؟حضرت سلیمانؑ بولے نہیں، چیونٹی نے کہا، وہ اس لئے کہ اللہ نے آپ کو بتایاہے کہ دنیا بھی ہوا کی طرح ہی ہے۔آپ نے فرمایا، اللہ تجھے برکت دے۔"[50]

یہی روایت علامہ الآلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھی۔[51]

**(8) وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ ---الْهُدْهُدَ سے مراد**

مفسرین نے "ہدہد" کی غیر حاضری کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں۔

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس کی غیر حاضری کی ایک وجہ بیان کرتے ہوئے، حسن کا قول درج کرتے ہیں۔

" حضرت سلیمانؑ کے ہدہد کا نام عنبر تھا۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ، جب حضرت سلیمانؑ کسی مجلس میں بیٹھتے تو پرندوں کی حاضری لگاتے۔آپ کے سامنے سے پرندوں کی مختلف اقسام کی قطاریں گزرتی جاتیں، جب قریباًسب گزر گئیں تو آپ نے ہدہد کو غیر حاضر پایا۔"[52]

علامہ اسماعیل حقی اس کی غیر حاضری کی ایک اور وجہ لکھتے ہیں:۔

"حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کے احوال دیکھے اور ان پرندوں میں سے ہدہد کو غائب پایا، کیونکہ یہ ہدہد باقی تمام ہدہدوں کا سردار تھا اور اس کانام یعفور تھا۔"[53]

امام زمخشری نے اس کی غیر حاضری کی ایک اور وجہ بیان کی ہے، آپ لکھتے ہیں:۔

"ہدہد کے قصہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپؑ نے اپنے لاؤلشکر کے ساتھ حج کا ارادہ کیا۔ آپ کا قافلہ پانچ ہزار اونٹنیوں، پانچ ہزار گائیوں اور بیس ہزار بکر بھیڑوں پر مشتمل تھا۔ آپ حج کے بعد عازم یمن ہوئے۔ایک دن آپ صبح

صبح مکہ سے نکلے آپ صنعاء کے مقام پر زوال کے وقت پہنچے۔ آپ نے یہاں کی سر سبز زمین دیکھی تو آپ کے دل کو لبھائی۔ آپ یہاں آرام اور نماز کی غرض سے رُکے مگر آپ کو پانی دستیاب نہ ہوا۔ ہدہد زیر زمین پانی کا اندازہ لگالیا کرتا تھا، وہ زیر زمین پانی ایسے دیکھ لیتا جیسے (ہم) کسی شیشی میں پانی کو دیکھ لیتے ہیں۔ جب ہدہد کو بلایا گیا تو اس کو غیر حاضر پایا گیا۔"[54]

امام ابن کثیر نے بھی اس ذیل میں مندرجہ بالا روایت بھی لکھی ہے۔[55]

امام الآلوسی نے حج والی اس روایت کے برعکس ایک روایت کا ذکر کیا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"بعض آثار میں حج والی حکایت کے بر خلاف آتا ہے۔ کعب الاحبار بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک بار یمن کے سفر پر نکلے تو راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرے اور فرمایا، یہ نبی آخر الزمان کا دار ہجرت ہے۔ پس خوشخبری ہو اس کے لئے جو اس کی اتباع کرے۔ آپ جب مکہ پہنچے تو آپ نے بیت اللہ میں بت دیکھے اور دیکھا کہ ان بتوں کو پوجا جارہا ہے۔ آپ یہ دیکھ کر گزر گئے۔ اس پر بیت اللہ رو پڑا۔ اللہ نے بیت اللہ پر وحی کی کہ تو کیوں روتا ہے؟ بیت اللہ نے کہا، اے اللہ مجھے اس بات نے رلایا ہے کہ یہ (یعنی حضرت سلیمان) تیرے انبیاء میں اسے ایک ہیں ان کے ساتھ اولیاء کی ایک بڑی تعداد تھی۔ یہ یہاں نہ رکے نہ کسی نے نماز پڑھی اور میرے گرد اگرد بتوں کی پرستش ہو رہی تھی۔ اس پر اللہ نے بیت اللہ پر وحی نازل کی کہ (ایک وقت آئے گا کہ) تیرے حضور لوگوں روئیں گے۔ سجدہ کریں گے اور تجھ میں مَیں قرآن کو نازل کروں گا اور میں تجھ پر ایک نبی آخر الزمان کو مبعوث کروں گا جو مجھے سب انبیاء سے زیادہ پیارا ہے۔ میں تجھ میں عمرہ کرنے والے پیدا کروں گا جو صرف میری عبادت کریں گے۔"[56]

امام القرطبی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعض علماء نے کہا کہ حضرت سلیمان پر ایک جانب سے سورج کی شعاعیں پڑیں جب دیکھا گیا تو اس کا سبب ہدہد کا وہاں سے غائب ہونا تھا۔ عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ یک بار حضرت سلیمان نے ہدہد کو یہ پوچھنے کے لئے بلایا کہ زیر زمین پانی کتنی دوری پر ہے۔ کیونکہ ہدہد زیر زمین پانی کی موجودگی جان لیتا تھا، جب وہ اس سے مطلع کرتا تو جنّ وہ جگہ کھود کر پانی حاصل کر لیتے۔"[57]

علامہ وحید الدین خاں ہدہد کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ ہدہد غالباً آپ کی پرندوں کی فوج سے تعلق رکھتا تھا اور باقاعدہ تربیت یافتہ تھا۔"[58]

صاحب تفسیر روح المعانی نے بھی اس ذیل میں مندرجہ بالا روایت بھی لکھی ہے۔[59]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ ھدھد سے اصل مراد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حضرت سلیمانؑ نے سواروں کا یا چڑیا کانہ کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ہدہد غائب ہے۔ آدمیوں کے نام بھی جانوروں کے نام سے ہوتے ہیں۔ جیسے قوموں کے چیتے، شیر باز، سمندر سورداس وغیرہ۔"[60]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ پہلے تو مفسرین کے اس خیال کی نفی کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں بیان کردہ ہدہد کوئی پرندہ تھا، پھر آپ ہدہد سے اصل مراد تفصیلاً بیان کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:۔

"پرندوں سے وہ امید رکھنی جو بلند عقل کے مالک انسانوں سے رکھی جاتی ہے ایک نبی کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایسا کرتے تھے۔ آخر قرآن ہمارے سامنے ہے کیا قرآن سے یہی پتہ لگتا ہے کہ پرندے ایسے عقل کے مالک ہیں۔ اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہو تو آدمی تلوار لے کر کھڑا ہو جائے اور اسے کہے وجہ بیان کرو ورنہ ابھی تمہارا سر کاٹ دوں گا۔ یا کبھی تم نے دیکھا کہ تمہارا کوئی ہمسایہ ہدہد پکڑ کر اسے سوٹیاں مار رہا ہو اور کہہ رہا ہو کہ میرے دانے تو کیوں کھا گیا تھا اور اگر تم نے کسی کو ایسا کرتے دیکھا تو کیا تم اسے پاگل نہیں قرار دو گے۔ پھر وہ لوگ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف یہ امر منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے ہدہد کے متعلق یہ کہا وہ اپنے عمل سے یہی فتویٰ حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی لگاتے ہیں بلکہ حضرت سلیمان تو یہاں تک کہتے ہیں کہ میں اسے سخت ترین سزا دوں گا۔ اَوْلَيَاتِيَنِّىْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ ورنہ وہ ایسی دلیل پیش کرے جو نہایت ہی واضح اور منطقی ہو۔ گویا وہ ہدہد سقراط بقراط اور افلاطون کی طرح دلائل بھی جانتا تھا۔ اور حضرت سلیمان اس سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ اپنے دلائل پیش کرے گا۔

(۲) پھر قرآن تو یہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جنّوں اور انسانوں اور طیور کے لشکر تھے مگر حضرت سلیمانؑ کی نظر صرف ہدہد کی طرف جاتی ہے۔ اور فرماتے ہیں مَالِیَ لَآ اَرَی الْھُدْھُدَ کیا ہوا کہ اس لشکر میں ہدہد کہیں نظر نہیں آتا۔ دنیوی حکومتوں میں تو جس کا قد پانچ فٹ سے کم ہو ۔ وہ فوج میں بھرتی کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ عجیب بھرتی شروع کر دی تھی ک ہدہد بھی ان کے لشکر میں شامل تھا ۔ پھر ہدہد کی کوئی فوج آپ کے پاس ہوتی۔ تب بھی کوئی بات تھی۔ بتایا یہ جاتا ہے کہ ہدہد صرف ایک آپ کے پاس تھا۔ اس ایک ہدہد نے بھلا کیا کام کرنا تھا۔ اور ایک جانور ساتھ لے جانے سے کیا مطلب تھا۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ قرآن یہ کہتا ہے۔ کہ ہدہد نے یہ یہ کہا۔ اور معجزہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی سمجھتے تھے حالانکہ اصولی طور پر یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ بیان ہونا چاہئیے تھا۔ مگر بیان ہدہد کا معجزہ ہوتا ہے جو سلیمان علیہ السلام کے معجزہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

(۴) ایک اَور بات یہ بھی ہے کہ ہدہد ان جانوروں میں سے نہیں جو تیز پرواز ہوں اور اس قدر دور کے سفر کرتے ہوں۔ یہ جہاں پیدا ہوتا ہے وہیں مرتا ہے۔ مگر قرآن یہ بتلاتا ہے کہ ہدہد دمشق سے اُڑا اور آٹھ سو میل اڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ سبا کے ملک تک پہنچا اور وہاں سے خبر بھی لے آیا۔ گویا وہ ہدہد آجکل کے ہوائی جہازوں سے بھی زیادہ تیز رفتار تھا۔ اور معجزہ دکھانے والا ہدہد تھا نہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام۔ حالانکہ بتانا یہ مقصود تھا کہ حضرت سلیمانؑ نے معجزہ دکھایا۔

(۵)اسی ہدہد کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ وہ شرک اور توحید کے باریک اسرار سے بھی واقف تھا۔ اور اسکو وہ مسئلے معلوم تھے جو آجکل کے مولویوں کو بھی معلوم نہیں۔ کتنی اعلیٰ توحید وہ بیان کرتا ہے کہتا ہے ۔وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَايَهْتَدُوْنَ۔یعنی میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور شیطان نے ان کے عمل انہیں خوبصورت کرکے دکھائے ہیں اور انہیں سچے راستہ پر چلنے سے روک دیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہدایت نہیں پاتے۔ پھر اس کی غیرت دینی دیکھو آجکل کے مولویوں کے ہمسایہ میں بت پرستی ہو رہی ہو تو وہ اس کے روکنے کی کوشش نہیں کرتے مگر ہدہد چاروں طرف اُڑتا پھرتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دیتا ہے کہ فلاں جگہ شرک ہے۔ فلاں جگہ بت پرستی ہے۔

(۶)پھر وہ سیاسیات سے بھی واقف تھا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ ۔یعنی ملکہ سبا کے پاس بادشاہت کی تمام صفات موجود ہیں۔ گویا وہ اسکے تمام خزانے اور محکمے چیک کرکے آیا۔ اور اس نے رپورٹ کی کہ وہ تمام چیزیں جن کی حکومت کے لئے ضرورت ہے وہ اس کے پاس موجود ہیں۔

(۷) پھر شیطان اور اس کی کاروائیوں سے بھی وہ خوب واقف ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے میں جانتا ہوں انسان کا جب شیطان سے تعلق پیدا ہو جائے تو برے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ ان خیالات کے نتائج سے بھی واقف تھا۔ کیونکہ کہتا ہے فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ ایسے خیالات کے نتیجہ میں انہیں اللہ تعالیٰ کے قرب کے راستہ سے دور پھینک دیا ہے۔ یہ ہدہد کیا ہوا۔ اچھا خاصہ عالم ٹھہرا۔ ایسا ہدہد اگر آج مل جائے تو سارے مولویوں کو نکال کر اسی کو مفتی بنا دینا چاہیئے۔

(۸)ہاں ایک بات رہ گئی۔ اور وہ یہ کہ وہ تختِ سلطنت کی حقیقت بھی خوب واقف تھا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ملکہ سبا کے پاس ایک عظیم الشان تخت ہے جو آپ کے پاس نہیں۔ گویا وہ لالچ بھی دلاتا ہے اور کہتا ہے اس پر حملہ کیجئے۔

یہ ساری باتیں بتاتی ہیں کہ یہ ہدہد کوئی پرندہ نہیں تھا۔ کیونکہ قرآن میں صاف موجود ہے کہ وہ امانت جسے فرشتے بھی نہ اٹھا سکے۔ جسے آسمان اور زمین کی کوئی چیز اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئی۔ اسے انسان نے اٹھالیا۔ وہی ہے جو ہماری شریعت کے رموز کو جانتا ہے۔ فرشتہ ایک ہی بات سمجھتا ہے یعنی نیکی کی بات کو مگر انسان نیکی اور بدی دونوں پہلوؤں کو جانتا اور تمام حالات پر مکمل نگاہ رکھتا ہے۔ مفسر کہتے ہیں کہ ہدہد کوئی جانور تھا۔ حالانکہ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ والی آیت موجود ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کے سوا کوئی اَور مخلوق اسرار شریعت کی حامل نہیں۔ پس جبکہ ہدہد بھی اسرار شریعت سے واقف تھا تو لازماً وہ بھی انسان ہی تھا نہ کہ پرندہ۔"[61]

## ہدہد سے مراد

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"ہُدہُد کا پتہ لینے کے لئے جب ہم بنی اسرائیل کی کتابیں دیکھتے ہیں اور اس امر پر غور کرتے ہیں کہ کیا ان میں کسی ہدہد کا ذکر آتا ہے۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں میں کثرت سے ھُدَدْ نام ہوا کرتا تھا۔ جو عبرانی سے عربی میں بدل کر ہدہد ہو گیا۔ جیسے عبرانی میں ابراہام کہا جاتا ہے مگر جب یہ لفظ عربی میں آیا تو ابراہیمؑ بن گیا۔ اسی طرح عبرانی میں یسوع کہا جاتا ہے اور عربی میں عیسیٰؑ کہتے ہیں اسی طرح عبرانی میں موشےؑ کہا جاتا ہے اور عربی میں یہی نام موسیٰ ہو گیا ہے۔ اب بھی کسی اہل عرب کو لکھنؤ کہنا پڑے تو وہ لکھنؤ نہیں بلکہ لکھناؤ ہوء کہے گا۔ اسی طرح عبرانی میں ھُدَدْ کہا جاتا تھا مگر چونکہ قرآن کریم عربی میں ہے اس لئے جب یہ نام اس میں آیا تو ھُدھُد ہو گیا۔ تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ھُدَدْ کئی ادومی بادشاہوں کا نام تھا۔ اور اس کے معنے بڑے شور کے ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں ھدّ کے ایک معنے اَلصَّوْتُ الْغَلِیْظُ۔ یعنی بڑی بلند آواز کے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اونچی آواز والے لڑکے کا نام ھُدَدْ یا ھُدھُد رکھ دیتے تھے مگر یہ نام تیسرے ادومی بادشاہ کا نام بھی یہی تھا ۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک لڑکے کا نام بھی ہُدہُد تھا (پیدائش باب ۲۵ آیت ۱۴) بائیبل کی کتاب نمبر ا سلاطین باب ۱۱ آیت ۱۴ میں بھی ادوم کے خاندان کے ایک شہزادے کا ذکر آتا ہے جس کا نام ہددؔ تھا اور جو یوآب کے قتل عام سے ڈر کر مصر بھاگ گیا تھا۔ جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ پُرانے عہد نامہ میں جب یہ لفظ اکیلا آوے تو اس کے ساتھ کوئی صفاتی فعل یا لفظ نہ ہو تو اس کے معنے ادومی خاندان کے آدمی کے ہوتے ہیں۔

غرض ھُدھُد عبرانی زبان کا لفظ ھُدَدْ ہے جو عربی زبان میں آکر ھُدھُد ہو گیا۔ چونکہ مفسرین کو یہ شوق ہوتا ہے کہ اپنی تفسیر کو دلچسپ بنائیں اس لئے وہ بعض دفعہ بے ہودہ قصے بھی اپنی تفسیروں میں درج کر دیتے ہیں۔۔۔ حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ قرآن کریم میں جو ہدہد کہا گیا ہے یہ ھُدَدَ کا معرب ہے اور اس سے مراد ادومی خاندان کا کوئی شہزادہ ہے جو آپ کے فوجی سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ یہ ادومی خاندان حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت میں بستا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے خاندان کا رقیب تھا۔ اس قوم کے سردار کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہ پایا۔ تو سمجھا کہ یہ رقیب قبیلہ کا سردار ہے ممکن ہے کسی شرارت کی نیت سے دشمن کے ملک میں چلا گیا ہو۔ اور اس پر ان کو غصہ آگیا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ہدہد عرب قبیلہ کا کوئی سردار ہو۔ کیونکہ بائیبل س معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام بھی ہدہد تھا۔ اور تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت تک اس رستہ میں جو فلسطین سے یمن کی طرف آتا ہے عرب قبیلے بستے تھے۔ (تقویم البلدان) اور چونک عربوں اور یہودیوں کی باہم سخت چپقلش تھی اور گو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت آگئے تھے لیکن مخالفت اب تک باقی تھی ۔اس لئے جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ عرب قوم کا ایک سردار غائب ہے تو ان کے دل میں شبہ پیدا ہوا اور وہ ناراض ہو گئے۔ اور یمن چونکہ عرب کا ایک حصہ ہے اس لئے یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔"[62]

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع، مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ اپنے ترجمۃ القرآن میں اس مقام پر فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" "ھدھد " عبرانی میں ھُدَد حضرت سلیمان کے لشکر کے ایک جرنیل کا نام ہے۔(دیکھیں جیوئش انسائیکلوپیڈیا)" [63]

## (9) (لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ) ہدہد کی سزا اور اس کا سزا سے بچ نکلنا

## (الف) ہدہد کی سزا کیا تھی؟

امام قرطبی اس سلسلہ میں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"جب حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ (لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ) اس پر ایک عقاب جو تمام پرندوں کا سردار تھا، کو بلایا گیا۔ اس نے پوچھا، اے اللہ کے نبی، آپ مجھ سے کیا خدمت چاہتے ہیں؟ آپ نے کہا، جاؤ اور ہدہد کو ڈھونڈ لاؤ! اس پر وہ ہوا میں بلند ہوا اور اس نے دنیا کو ایسے دیکھا جیسے ہم کسی طشتری کو دیکھتے ہیں۔ اچانک اس نے ہدہد کو یمن میں دیکھا۔ عقاب نے اس کی جانب پرواز کی اور اس کو اپنے پنجوں میں دبوچ کیا۔ ہدہد بولا میں تجھ کو اللہ کا سوال دیتا ہوں جس نے تجھے مجھ پر قوت اور غلبہ عطا کیا کہ مجھ پر رحم کھا! تو عقاب نے اس کو کہا، تیرا برا ہو۔ تیری ماں تجھے کھو دے۔ یقیناً اللہ کے نبی سلیمانؑ نے تجھے سخت سزا دینے اور مار ڈالنے کی قسم کھائی ہے۔ پھر وہ ہدہد کو لے آیا۔ ہدہد کو گِدھیں اور باقی پرندوں کے لشکر ملے اور کہا، تیرا برا ہو، اللہ کا نبی تجھ سے سخت ناراض ہے۔ ہدہد نے پوچھا، کیا نبی اللہ نے کوئی استثناء رکھا؟ تو یہ پرندے بولے، ہاں (أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ) ہدہد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے سر اٹھایا اور انکساری سے اپنے پَر اور دُم پھیلا دیے۔ حضرت سلیمان نے کہا تم خدمت کے وقت کہاں تھے؟ آج واقعی میں تمہیں سخت سزا دوں گا یا ذبح کر دوں گا۔" [64]

امام محمود الآلوسی صاحب تفسیر روح المعانی ہدہد کو ملنے والی سزا سے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ابن عباس، مجاہد اور ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ سزا سے مراد اس کے بال اکھیڑے جانا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے جسم کے سارے بال اکھیڑے جانا مراد ہے۔ یزید بن رومان نے کہا کہ اس سزا سے مراد ہدہد کے صرف پروں کے بال اکھیڑے جانا مراد ہے۔ ابن وھب کے نزدیک اس کے جسم کے آدھے بال اکھیڑے جانا مراد ہے۔ بعض نے بیان کیا کہ اس سزا سے آپ کی مراد نا صرف اس کے بال اکھیڑے جانا ہے بلکہ اس کو چیونٹیوں کے آگے پھینکنا بھی ہے۔ یا اس کو سورج کی تپتی شعاعوں میں چھوڑنا بھی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس پر پگھلایا ہوا کولتار ڈالنا مراد ہے۔ اسکی سزا کی ایک صورت اس کو قید میں ڈالنا بھی لی گئی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سزا سے مراد اس کو حضرت سلیمانؑ کی خدمت سے محروم کیا جانا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے اور اس کی مادہ کے درمیان دوری پیدا کرنا مراد ہے۔ یہ بھی مراد لیا گیا ہے کہ اس کو اس سے کم رتبہ والے طیور کی خدمت کرنے پر مامور کیا جائے۔" [65]

امام ابن کثیر نے بھی مندرجہ بالا مؤقف اپنایا ہے۔ [66]

تفسیر قرطبی میں امام قرطبی نے اور تفسیر روح البیان میں بھی صاحب تفسیر نے کم و بیش انہی سزاؤں پر مشتمل روایات بیان کی ہیں۔ [67]

جناب جاوید احمد غامدی اس سزا سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ،

"ہدہد کی غیر حاضری پر حضرت سلیمان کے عتاب کا یہ انداز بتا رہا ہے کہ اُن کی فوج کے پرندے بھی نظم وضبط کے پوری طرح پابند تھے اور کسی خلاف ورزی کی صورت میں اُنھیں فوجی ضوابط کے تحت سزا بھی بھگتنی پڑتی تھی۔" [68]

## (ب) ہدہد سزا سے کیسے بچ نکلا؟

امام ابن کثیر بیان کرتے ہیں:۔

"جب پرندوں نے ہدہد کو بتایا کہ، ہاں حضرت سلیمان نے استثناء رکھا ہے۔ تو ہدہد بولا، پھر تو میں بچ گیا!"[69]

امام قرطبی نے ہدہد کی سزا سے بچنے کی ایک وجہ بیان کی ہے، آپ لکھتے ہیں:۔

"عکرمہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو ذبح ہونے سے اس لئے بچایا کہ وہ ماں باپ کا فرمانبردار تھا۔ وہ ان دونوں کے لئے ان کے بڑھاپے میں کھانا لے کر جاتا اور ان کو کھلاتا۔"[70]

علامہ محمود الآلوسی اپنی تفسیر میں ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ،

"جب ہدہد حضرت سلیمانؑ کے حضور پیش ہوا اور حضرت سلیمانؑ کے سامنے عاجزی دکھائی۔ حضرت سلیمان نے اس کا سر پکڑ کر اپنی جانب کھینچا، تو ہدہد بولا، اے اللہ کے نبی! آپ اپنا اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونا یاد کیجیے۔ حضرت سلیمانؑ یہ سن کر کانپ اٹھے اور اس کو معاف فرمادیا۔"[71]

اس ساری معلومات پر ایک صحت مند انسانی ذہن میں سوالات اٹھنے چاہئیں کہ ہدہد اگر ایک پرندہ تھا تو اس کو کیسے یہ سب معرفت کی باتیں آئیں؟ اس کا جواب امام زمخشری اپنی تفسیر الکشاف میں لکھتے ہیں:۔

"یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب باتیں ہدہد کی طرف وحی کی ہوں جیسا کہ وہ باقی کئی جانوروں، بہائم اور پرندوں کی طرف لطیف معارف وحی کرتا ہے جن کی سمجھ علماء وعقلاء کو بھی نہیں آسکتی۔ جو اس سلسلہ میں مزید جاننا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ کتاب الحیوان کا مطالعہ کرے، خاص طور پر جب کہ نبی اللہ کے لئے پرندوں کو مسخر کیا گیا اور ان کی بولی ان کو سکھائی گئی اور یہ ان کے لئے معجزہ کی حیثیت رکھتا ہے۔"[72]

ایک بار کسی نے اعتراض کیا کہ ذبح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدہد انسان نہیں تھا بلکہ پرندہ تھا کیونکہ ذبح کا لفظ جانوروں پر ہی بولا جاتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اس کا جواب دیتے ہوئے، فرماتے ہیں:۔

"یہ اعتراض کسی مولوی صاحب کا تھا تو ان کو ہمارے ایک دوست امیر الدین صاحب کمبل باف گجرات نے جو ہماری جماعت کا ہے جواب دیا کہ پہلے پارہ میں ہے يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ (البقرة: 50) آیا ہے تو مولوی صاحب نے کہا بنی اسرائیل کی اولاد انسان نہ تھی۔ سارے جانور ہی تھے۔"[73]

## (10) (امْرَأَةً) عورت سے مراد کون تھی؟

### (الف) اس عورت کا نام

امام محمود الآلوسی اس خاتون کے بارہ میں کچھ روایات بیان کرتے ہیں:۔

"اس عورت سے مراد بلقیس بنت شراحیل بن مالک بن ریان ہے جو کہ یعرب بن قحطان کی نسل سے ہے۔۔۔ حسن کہتے ہیں کہ اس عورت کا نام لیلیٰ تھا۔ یہ بات معروف نہیں ہے۔ اس کے والد کا نام السرح بن الھداھد تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے والد تمام سرزمین یمن کے بادشاہ تھے

اور آپ نے یہ بادشاہت اپنی نسل میں چالیس بادشاہوں سے وراثت میں پائی۔ مگر ان کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہ ہوا اور یہ لڑکی جس کا نام بلقیس تھا پیدا ہوئی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد اس نے بادشاہت حاصل کی۔"[74]

امام زمخشری کے نزدیک یہ تبّع الحمیری کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔[75]

پادری وھیری صاحب اس عورت کی تعیین میں لکھتے ہیں:۔

"This queen the Arabs name Balqis : some make her the daughter of Al Hudhad Ibn Sharhabil, and others of Sharabil Ibn Maliq ; but they all agree she was a descendant of Yarab Ibn Kahtan. She is placed the twenty-second in Dr. Pocock's list of the kings of Yaman." — Sale, Pocock, Spec. p. 59"[76]

یعنی اس ملکہ کا نام عربوں کے ہاں بلقیس ہے۔ کچھ کے نزدیک یہ الحدود بن شراحبیل کی بیٹی ہے جبکہ بعض کے نزدیک یہ شراحبیل بن مالک کی۔ مگر سب اس کے یعرب بن قحطان کی نسل سے ہونے پر متفق ہیں۔ ڈاکٹر پوکوکس کی فہرست میں یہ ملکہ بائیسویں نمبر پر ہے۔

**(ب) کیا بلقیس کی والدہ جنّوں میں سے تھیں؟**

امام القرطبی عثمان بن حاضر سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:۔

"بلقیس کی والدہ جنوں میں سے تھیں ان کا نام بلعمۃ بنت شیصان تھا۔"[77]

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"قتادۃ بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ جنوں میں سے تھیں اور ان کی ٹانگوں کا پچھلا حصہ کسی چوپایہ کے پاؤں جیسا تھا۔۔۔ ابن جریج کے نزدیک ان کا نام بلتقۃ تھا۔"[78]

امام محمود الآلوسی اپنی تفسیر میں بلقیس کے والد اور والدہ کی شادی سے متعلق تفسیر خازنی کے حوالہ سے چند روایات لائے ہیں، آپ لکھتے ہیں:۔

"بلقیس کے والد نے اپنے ارد گرد کے بادشاہوں کو پیغام بھیجا کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو میرا ہم کفو ہو اور جس کی بیٹی کے ساتھ میں شادی کروں۔ اس پر اس نے جنوں کی طرف اپنی شادی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اس کی شادی ایک عورت جس کا نام ریحانہ بنت السکن تھا کے ساتھ کر دی۔ بلقیس کے والد کا جنوں کے ساتھ رابطہ کچھ اس طرح ہوا کہ اس کو شکار بہت پسند تھا۔ تو اس نے ایک ہرن کا شکار کیا جو کہ دراصل ایک جنیہ تھی۔ اس پر جنوں کا بادشاہ آیا اور اس نے کہا کہ جس کا تو نے شکار کیا وہ میری بیٹی ہے تو اس پر اس نے اس کی شادی والدِ بلقیس سے کر دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک بار وہ (بلقیس کا والد) شکار کے لئے نکلا تو اس نے دو سانپوں کو آپس میں لڑتے دیکھا۔ ایک سانپ سفید تھا اور دوسرا کالا۔ کالا سانپ لڑائی میں سفید سانپ پر غالب آگیا۔ تو اس شکاری نے کالے سانپ کو مار ڈالا۔ اور سفید سانپ پر پانی ڈالا اور اس کو کھلا چھوڑ دیا۔ جب شکار کے بعد یہ گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک نہایت خوبصورت جوان اس کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اس سے اس شکاری کو ڈر محسوس ہوا۔ وہ نوجوان بولا، ڈرو نہیں، میں وہی سفید سانپ ہوں جس کو تم نے بچایا تھا۔ اور جس کو تم نے مارا وہ ہمارا غلام تھا جو سرکشی اختیار کر چکا تھا اور ہم میں کئی ایک لوگوں کو مار بھی چکا تھا۔ اس نوجوان نے اس کو بھاری مقدار میں مال و زر دینے کی کوشش کی۔ اس پر اس (شکاری) بادشاہ نے کہا کہ نہیں مجھے اس کی

ضرورت نہیں ہاں البتہ اگر تمہاری کوئی لڑکی ہے تو اس سے میری شادی کروا دو۔ تو اس نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کروائی جس سے پھر بلقیس پیدا ہوئی۔"[79]

**(ج) بلقیس کی پہلی شادی**

"بعض آثار میں آتا ہے کہ اس کے والد کی وفات ہوئی اور یہ اپنے والد کی بادشاہت میں دلچسپی لینے لگی۔ اپنی قوم سے بیعت کرنے کو کہا۔ اس پر قوم کے کچھ حصہ نے بیعت کی جبکہ کچھ نے انکار کیا۔ انکار کرنے والوں نے اس (بلقیس) کے چچا کے بیٹے کو اپنا بادشاہ بنایا۔ یہ بادشاہ نہایت ظالم و فاجر تھا۔ اپنی رعایا کے ساتھ ظلم و زیادتی کرتا اور ان کی عورتوں کے ساتھ تعرّض کرتا۔ اس کی رعایا نے اس سے اپنی جان چھڑانا شروع کی۔ جب بلقیس کو اس کا علم ہوا تو اس نے اس بادشاہ کو اصلاح کا پیغام دیا جس پر اس نے بلقیس کو شادی کا پیغام بجھوایا۔ اس پر بلقیس نے اس کو کہا کہ میرے خاندان کے لوگوں کو اکھٹا کر کے شادی کا پیغام بھیجو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ بلقیس اپنے جاہ و حشم میں رخصت ہوئی۔ اور شادی کی رات کو بلقیس نے اپنے خاوند کو اس قدر شراب پلائی کہ وہ نشہ میں دھت ہو گیا۔ اس پر بلقیس نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا سر قلم کر کے صبح کو اپنے وزراء اور مشیروں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اب اس کو اپنا بادشاہ مان لو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں! ہماری ملکہ تو آپ ہی ہیں۔ سب لوگوں نے جان لیا کہ یہ شادی محض ایک مکر و دھوکہ تھی۔"[80]

**صاحبِ تفسیر روح المعانی کا ان سب روایات پر تبصرہ:**

"اس قصے کو خوانخواہ طول دیا گیا۔ ایسی کوئی بات قرآن حکیم اور احادیث نبویہ سے ثابت نہیں۔ یہ سب فضول کی بحثیں ہیں۔ جن و انس کے درمیان نکاح اور اس نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد بعید از عقل اور از قبیل جہل ہے۔"[81]

**(ج) حضرت سلیمانؑ اس ملکہ سے بے خبر تھے؟**

امام قرطبی اس بارہ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ کیسے ممکن ہوا کہ حضرت سلیمانؑ اس جیسی (عظیم الشان) ملکہ سے بے خبر رہے اور حضرت سلیمان اور اس ملکہ کے علاقوں میں بھی کوئی زیادہ مسافت نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نے آپ سے اس کو مصلحتاً مخفی رکھا۔ جیسا کہ حضرت یعقوبؑ سے حضرت یوسفؑ کو۔"[82]

علامہ اسماعیل حقی نے بھی مندرجہ بالا مؤقف ہی اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔[83]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت سلیمانؑ کو اس ملکہ کا کچھ علم تھا، آپ فرماتے ہیں:۔

" وَجِئۡتُكَ مِنۡ سَبَإٍۭ بِنَبَإٍ يَقِينٍ اور کہا کہ میں تم کو یک پختہ خبر ملکہ سبا کی دیتا ہوں، جو پہلے تم کو اس کی پوری خبر نہیں۔"[84]

**(11) (عَرْشٌ عَظِيمٌ) ملکہ سبا کا تخت**

**(الف) ملکہ کا تخت کیسا تھا؟**

امام اسماعیل حقی اپنی تفسیر روح البیان میں ملکہ کے تخت کو عَظِيمٌ کہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"(اللہ تعالیٰ کے ) تخت کو عَظِیمٌ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی تمام مخلوقات میں سے عظیم ترین خلق ہے۔ ملکہ بلقیس کے تخت کو اس لئے عظیم کہا گیا کہ یہ باقی بادشاہوں کے تختوں کی نسبت بہت اعلیٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے تخت اور ملکہ کے تخت میں بہت بڑا تفاوت ہے۔"[85]

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس تخت کی خوبیاں گنواتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

" عَرْشٌ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ملکہ بیٹھتی تھی۔ یہ نہایت بڑا اور سونے سے بنا ہوا اور کئی لعل جواھر سے جڑا تھا۔ زھیر بن محمد کہتے ہیں کہ اس کے دونوں پہلو سونے کے تھے اور دونوں ہی یاقوت وزبرجد (زمرد کے مشابہ ایک پتھر) سے جڑے ہوئے تھے۔ اس کی لمبائی اسّی گز تھی اور چوڑائی چالیس گز۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں، اس کا تخت سونے کا تھا اور یاقوت، زبرجد اور موتی سے جڑا ہوا تھا۔ اس کی خدمت میں چھ سو خادمائیں تھیں۔ علمائے تاریخ کہتے ہیں کہ یہ تخت ایک بہت عظیم الشان، مضبوط اور اونچے قلعہ میں تھا۔ اس کے شرق وغرب میں ساٹھ طاقچے تھے۔ ان کی بناوٹ کچھ اس طرح تھی کہ ان میں سے ہر شرقی طاقچے میں سورج کی کرنیں داخل ہوتیں اور اس کے غربی طاقچوں میں غروب ہوتیں۔ لوگ ان کو صبح وشام سجدے کرتے۔"[86]

امام القرطبی بیان کرتے ہیں:۔

"اس تخت کی لمبائی اسی گز تھی، چوڑائی چالیس گز تھی۔ اس کی اونچائی تیس گز تھی، یہ تخت موتیوں اور سرخ یاقوت کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ قتادۃ کہتے ہیں کہ اس تخت کی ٹانگیں جواھرات سے جڑی ہوئی تھیں۔ اس کے اوپر دیباج وریشم سے بنا ہوا کپڑا پڑا ہوتا تھا۔"[87]

یہی روایات امام زمخشری نے الکشاف میں اور علامہ اسماعیل حقی نے تفسیر روح البیان میں بھی بیان کیں ہیں۔[88]

امام محمود الآلوسی نے بھی انہی روایات کو بیان کیا مگر آخر پر اپنا مؤقف اس بارہ میں بیان کیا کہ،

"اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں حقیقت حال سے بہت باخبر ہے۔[89]

**(ب) (وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ) ملکہ اور اس کی رعایا کا مذہب کیا تھا؟**

امام القرطبی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ آفتاب پرست قوم تھی کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ زنادقہ میں سے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مجوسی تھے اور ہر قسم کی روشنی کی عبادت کرتے تھے۔"[90]

جب مسلمان علماء نے قرآنی استعارات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا اور بیان کیا تو اس سے مدد لیتے ہوئے غیر مسلم علماء نے اسلام اور قرآن کریم پر حملے کئے۔ چنانچہ پادری وہیری قرآن کریم کی آیات 25 تا27 کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

“These verses again illustrate Muhammad's habit of putting his own discourse into the mouths of others. Here it is put in the mouth of a bird!”[91]

یعنی یہ آیات بھی دکھاتی ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) اپنی باتیں دوسروں کے مونہوں میں ڈالنے کی عادت تھی جیسا کہ ان آیات میں اپنی باتیں پرندہ کے منہ میں ڈالیں۔

- اس حملہ کا پہلا جواب تو یہ ہے اگر آپ کے تفسیری نوٹس کا سرسری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا عظیم الشان بیان ہوتا ہے اسی جگہ آپ اسلام پر حملہ داغ دیتے ہیں۔ شائد واحدانیت خداوندی کے قرآنی بیان کی شوکت اور اس کے خیرہ کر دینے والے دلائل آپ کی بوکھلاہٹ میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ بہر حال جس توحید خالص پُر اثر پرچار آنحضرت ﷺ نے ساری زندگی کیا اس کے لئے آپ کو اپنے الفاظ کسی پرندہ کے منہ میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اسلام ایسا مذہب نہیں جس کو روح القدس کے اظہار کے لئے کسی کبوتر کی ضرورت ہو!
- جہاں تک توحید کا معاملہ ہے آپ کو آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم تو "یہودی الاصل" نظر آئی مگر استثناء کی وہ آیت (باب 6 آیت 4) جس میں بنی اسرائیل کو ایک خدا کو ماننے کا کہا گیا وہ نظر نہیں آیا۔ استثناء کی یہ آیت کسی پرندہ کے منہ سے نہیں نکلی بلکہ موسیٰ کے منہ سے خداند خدا نے نکلوائی اور یہ اس کتاب میں پائی جاتی ہے جس کے اثبات کے لئے (بقول انجیل متی) یسوع خود تشریف لائے!
- قرآن کریم پر حملہ کرنے والے پہلے اپنی مقدس کتاب کا جائزہ لیں، قرآن کریم کا دعویٰ منزّل من اللہ کا ہے، اس کے برعکس اناجیل کا نہ تو ایسا کوئی دعویٰ ہے اور نہ ہی ان کے مصنفین یسوع مسیحؑ کے مشکل وقت میں اس کے ساتھ کھڑے دکھائی دیئے۔ اناجیل نہ ہی کسی انسان کو خدا تک پہنچانے کا کوئی رستہ بتاتی ہیں اور نہ ہی تزکیہ نفس کا کوئی طریقہ۔ جبکہ قرآن کریم انسان کو شروع میں ہی نہ صرف خدارسیدگی کی دعا سکھلاتا ہے بلکہ تقویٰ کے حصول کے ذرائع بھی دکھاتا ہے۔
- قرآن کریم کے فصاحت وبلاغت کے اعجاز کے سامنے عرب شعراء فصاحت جن کے گھر کی لونڈی تھی، گنگ ہو گئے اور صاحب معلقہ نے شعر کہنے چھوڑ دیئے۔ اس کو توحید باری کے ثبوت کے لئے کسی پرندہ کی ضرورت ہرگز نہ تھی۔
- آپ اپنے قیام ہندوستان کے دوران جماعت احمدیہ کی خدمت قرآن سے بخوبی واقفیت حاصل کی۔ اگر آپ اس دور کے حاملینِ قرآن (جماعت احمدیہ) کی تفسیر پڑھتے تو ایسا حملہ نہ کرتے۔ کیونکہ اس سورت کی اصل تفسیر جماعت احمدیہ کے بانی اور آپ کے خلفاء نے کی۔

### (12) (اذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا۔۔۔) حضرت سلیمان کا خط لکھنا

**(الف) (إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ) حضرت سلیمان نے اللہ کے نام سے پہلے اپنا نام کیوں رکھا؟**

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اور ممکنہ پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے امام الآلوسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ خط کے باہر کی جانب لکھا ہو اور خط کا آغاز بسم اللہ سے ہوا ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بھیجنے والے کے ایڈریس کے طور پر ہو۔ ابو حیان بیان کرتے ہیں کہ کیا معلوم یہ اس لئے ہو کہ حضرت سلیمان جانتے تھے کہ وہ اللہ کا انکار کرنے والی ہے اور مبادا وہ اللہ کا نام دیکھ کر کچھ گستاخی کرے اس لئے حضرت سلیمان نے اپنا نام پہلے لکھا تاکہ آپ کا نام پہلے آئے تاکہ اگر وہ کچھ کہے بھی تو آپ کو کہے اور اللہ کے نام کی گستاخی سے بچ جائے۔"[92]

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مغربی علماء کا ایک اعتراض قارئین کے سامنے رکھ کر اس کا جواب دیا جائے۔

پادری وہیری صاحب نے اس مقام قرآنی پر یہ اعتراض کیا کہ یہ آیت "یہودی الاصل" ہے۔ اس کا جواب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں دیا جو ہم من وعن یہاں درج کر دیتے ہیں۔

" یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ لکھے ہیں۔ ان کو دیکھ کر دشمنان اسلام کی طرف سے بالعموم یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنی ہر سورۃ کے ابتداء میں جو بسم اللہ لکھی ہے وہ در حقیقت پرانی کتب کی ایک چوری ہے اور پہلے لوگ بھی اس کا علم رکھتے تھے۔ چنانچہ راڈول لکھتا ہے کہ یہ کلمہ یہودی الاصل ہے (وہیری ص۲۸۶ جلد اول) اور وہیری لکھتا ہے کہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ کلمہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودیوں اور صابیوں سے مستعار لیا ہے۔ آخر الذکر ہمیشہ اپنی تحریروں سے پہلے یہ لکھا کرتے تھے۔" بنام یزداں بخشائش گر داوار (وہیری ص ۲۸۹ جلد اول) پادری سینٹ کلیئرٹڈ ل صاحب نے اپنی کتاب" ینابیع الاسلام" میں اس عبارت کو زرتشتیوں کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ کتاب دساتیر میں ہر نبی کے صحیفہ سے پہلے یہ عبارت ہے "بنام ایزد بخشائش گر مہربان داد گر" (اردو ترجمہ ینابیع الاسلام ص۱۲۷)

یہ عجیب بات ہے کہ تین مسیحی مصنف اس آیت کو مسروقہ ثابت کرنے کے لئے تین سرچشمے اس کے بیان کرتے ہیں۔ ایک یہودیوں کو اس کا سرچشمہ بتاتا ہے۔ دوسرا صابیوں کو۔ تیسرا زردشتیوں کو۔ ان لوگوں کا اس آیت کو مسروقہ ثابت کرنے کے لئے اس قدر کوشش کرنا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک یہ آیت اپنے معنوں کے لحاظ سے ایک سمندر ہے۔ ورنہ ان کا یہ لکھ دینا ہی کافی ہوتا کہ اس آیت کے مضمون میں کوئی خاص خوبی نہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ تینوں سرچشموں میں سے اصل سرچشمہ کون سا ہے؟ تینوں قوموں کو اس آیت کا موجد تو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پس ضروری ہے کہ یہ مسیحی مصنف یا ان کے شاگرد یہ تصفیہ بھی کرلیں کہ آیا یہودیوں نے زردشتیوں نے یا صابیوں سے چرایا ہے یا برعکس معاملہ ہے۔

یہ لطیفہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہودیوں میں اس کلمہ کے استعمال کا ایک بھی حوالہ نہیں دیا گیا۔ اور نہ وہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ جن میں یہودی اس مضمون کو بیان کیا کرتے تھے۔ بلکہ باوجود اس بات کے کہ مسیحیت یہودیت کی ایک شاخ ہے اور یہودی کتب گویا مسیحیوں کی اپنی مذہبی کتب ہیں پھر بھی مسیحی مصنّف یہودی کتب کا حوالہ نہیں دے سکے اور نہ ان ک الفاظ نقل کرسکے البتہ زرتشتیوں اور صابیوں کی کتب کے حوالے انہوں نے نقل کردیئے ہیں۔ جس سے یہ بات اَور بھی روشن ہو جاتی ہے کہ اس آیت کے حسن کو دیکھ کر وہ کچھ ایسے بدحواس ہوگئے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی مذہبی کتب میں اس کا وجود ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

باقی رہے صابی اور زرتشتی سو صابیوں کی کتب تو محفوظ نہیں۔ ہاں زرتشتیوں کی کتب کے بعض حصے اس وقت بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کتب کی نسبت خود زرتشتی لوگ کہتے ہیں کہ وہ اصل صورت میں محفوظ نہیں ہیں۔ پس کیا تعجب ہے کہ ان کے بعض حصے اسلام کے بعد ہی بنائے گئے ہوں۔ لیکن اگر ان کتب کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی قرآن کریم پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ یہ آیت پہلی دفعہ قرآن کریم میں نازل ہوئی ہے۔ بلکہ وہ خود تسلیم کرتا ہے کہ یہ آیت پہلے بھی دنیا میں موجود تھی۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو خط ملکہ سبا کو لکھا۔ اس کے الفاظ بتاتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۔ پس اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہود یا زرتشریوں یا صابیوں یا کسی اَور قوم میں یہ آیت پہلے سے موجود تھی تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ جب قرآن کریم خود تسلیم کرتا ہے کہ یہ آیت حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم تھی۔ تو جو آیت حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم تھی وہ یقیناً ان کے اتباع کو بھی معلوم ہوگی اور بالکل ممکن ہے کہ دوسری

قوموں کے نبیوں کو بھی معلوم ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس کا مضمون عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اور پہلی قوموں میں ان کی اپنی زبانوں میں ہو گا۔ مگر بایں ہمہ قرآن کریم میں ہر سورۃ سے پہلے اس آیت کی موجود نقل نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ قرآن کریم میں اس آیت کا وجود ایک پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے ہے اور جو کلام کسی نئی غرض کے لئے دوہرایا جائے اور کسی خاص فائدہ کے لئے اختیار کیا جائے وہ نقل یا چوری ہر گز نہیں کہلا سکتا۔

یہ پیشگوئی خروج باب ۲۰، ۱۹ اور استثناء باب ۱۸ میں مذکور ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بنی اسرائیل کو پاک کر کے سینا کے نیچے لا کھڑا کر۔ تا کہ وہ سنیں کہ میں تجھ سے کلام کرتا ہوں۔ پہلے تو وہ پہاڑ کے پاس کھڑے رہیں۔ لیکن جب قرنا کی آواز بہت بلند ہو تو قریب آجائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب وہاں گئے اور خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوا تو اس کے ساتھ ہی بجلی چمکی اور دھواں اٹھا اور گرج پیدا ہوئی۔ وہ لوگ ڈر کے دوجا کھڑے ہوئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں۔ لیکن خدا ہم سے نہ بولے۔ کہیں ہم مر نہ جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ تم مت ڈرو۔ اس لئے کہ خدا آیا ہے تا کہ تمہارا امتحان لے اور تا کہ اسکا جلال تمہارے سامنے ظاہر ہو۔ کہ تم گناہ نہ کرو۔ مگر پھر بھی وہ لوگ دور ہی کھڑے رہے اور صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی اللہ تعالیٰ کے پاس گئے (خروج باب ۲۰ آیت ۱۹ تا ۲۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے جا کر عرض کیا کہ الٰہی میری قوم تو تیرے پاس آنے سے ڈرتی ہے تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یہ وحی نازل ہوئی کہ:۔

" خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو۔ اس سب کی مانند جو تو نے خداوند اپنے خدا سے حورب میں مجمع کے دن مانگا۔ اور کہا کہ ایسا نہ ہو کہ میں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں اور ایسی شدت کی آگ میں پھر دیکھو تا کہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کیا سو اچھا کیا۔ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب اسے کہے گا۔ اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔" (استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ تا ۲۰)

اس پیشگوئی میں بتایا گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی ان کا مثیل بن کر آئے گا۔ اور وہ جب بھی خدا تعالیٰ کا کلام سنائے گا تو کہے گا میں خدا کا نام لے کر یہ کلام سناتا ہوں۔ اور خدا کا نام لے کر کا ترجمہ عربی زبان میں بسم اللہ ہے۔ پس بسم اللہ میں اسم کا لفظ بڑھا کر اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا قرآن کریم کی ہر سورۃ کے شروع میں ہی ایک ثبوت پیش کر دیا گیا ہے تا یہودیوں اور عیسائیوں پر آپ کی سچائی کھل جائے۔ اور ان پر حجت پوری ہو کہ وہ موعود جس کا ان کی کتابوں میں ذکر ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ جو ہر بات کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بیان کرتے ہیں۔ پس ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ ہر یہودی اور ہر عیسائی کو توجہ دلاتی ہے کہ تم کیوں اس نبی کو نہیں مانتے جو موسیٰؑ کی پیشگوئی کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کا کلام سناتا ہے تو اس سے پہلے یہ الفاظ بھی کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ کا نام لے کر یہ کلام سناتا ہوں۔ بہر حال اس پیشگوئی میں بتایا گیا تھا کہ (۱) بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیلؑ میں سے ایک نبی آئے گا۔ (۲) اس کو حضرت موسیٰؑ کی

طرح شریعت دی جائے گی۔(۳)وہ جو نیا مضمون بھی خدا کی طرف سے پا کر دنیا کے سامنے پیش کرے گا اس سے پہلے یہ کہہ لے گا کہ میں خدا تعالیٰ کا نام لے کر اس کلام کو شروع کرتا ہوں۔(۴)اگر کوئی جھوٹا شخص اس پیشگوئی کو اپنے اوپر چسپاں کرنا چاہے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔(۵)اور جو اس پیشگوئی کے مصداق کا انکار کرے گا۔وہ بھی ہلاک کیا جائے گا۔

پس اس پیشگوئی کے مطابق ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ رکھ دی گئی۔اور اس طرح یہود اور نصاریٰ کو توجہ دلائی گئی کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰؑ اور وہ موعود نبی نہیں تو انہیں سزا ملے گی کیونکہ پیشگوئی کے مطابق اس پیشگوئی کا جھوٹا مصداق سزا سے نہیں بچ سکتا۔لیکن اگر وہ وہی موعود ہیں اور اس پیشگوئی کے مطابق خدا کا کلام اس کا نام لے کر بیان کرتے ہیں تو پیشگوئی کے مطابق تم انکار کر کے سزا سے نہیں بچ سکتے۔بلکہ خدا تعالیٰ تم سے ضرور حساب لے گا۔

غرض باوجود اس کی کہ بسم اللہ پہلے انبیاء کی امتوں میں بھی مروج تھی۔قرآن کریم میں اسکا وجود چوری نہیں کہلا سکتا۔کیونکہ (۱) قرآن کریم خود تسلیم کرتا ہے کہ اس سے پہلے بسم اللہ تھی (۲)اس لئے کہ اس میں بسم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے آئی ہے۔اگر اس کی ہر سورۃ بسم اللہ سے شروع نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی جھوٹی ہو جاتی۔مگر کیا یہ امر دساتیر کے متعلق ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ان کے مصنف بنی اسرائیل میں سے تھے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح شریعت لائے تھے۔یا ان کی ہر وحی سے پہلے بسم اللہ لکھا ہوا ہوتا تھا۔وہ تو ایک تاریخ کی کتاب ہے جس میں انبیاء کا حال ہے۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے یہ الفاظ تھے کہ " ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جو وہ میرا نام لے کے کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔" گویا ان الفاظ میں یہ شرط بتائی گئی ہے کہ وہ خدا کی وحی اس کا نام لے کر بیان کرے گا پس بسم اللہ کا قرآن مجید کی ہر سورۃ سے پہلے آنا اس پیشگوئی کے مطابق ہے۔اور اس پر چوری کا کوئی اعتراض خصوصاً ان اقوام کے منہ سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیرو ہیں بالکل زیب نہیں دیتا۔"[93]

**(ب) ہدہد کا خط لے کر ملکہ کے پاس پہنچنا**

امام الآلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر کرتے ہیں:۔

"روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے خط لکھا اور اس پر مہر لگائی۔آپ نے یہ خط ہدہد کو دیا۔ہدہد جب یہ خط لے کر آیا تو اس نے ملکہ کو اپنے محل میں استراحت کرتے ہوئے پایا۔ملکہ جب استراحت کرتی تو تمام دوازے بند کر لیتی اور چابیاں اپنے سرہانے کے نیچے رکھ لیتی۔ہدہد ایک روشن دان سے داخل ہوا اور خط اس کے سینے پر رکھ دیا۔یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ ہدہد نے اس کو اپنی چونچ سے ٹھونگا مارا، اس پر وہ گھبرا کر جاگ گئی۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب وہ آیا تو اس کے ساتھ کافی سارے پرندے آئے اور یہاں پہنچ کر انہوں نے پھڑ پھڑانا شروع کیا جس پر اس نے ادھر نگاہ کی اور ہدہد نے خط اس کی گود میں پھینک دیا، جب اس نے مہر دیکھی تو وہ کانپ اٹھی اور عاجزی سے جھک گئی۔"[94]

مندرجہ بالا باتیں ہی روایات کی مدد سے علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر الکشاف میں اور علامہ اسماعیل حقی نے تفسیر روح البیان میں لکھی ہے۔[95]

مندرجہ بالا روایات کی کسی قدر تفصیل بیان کرتے ہوئے امام القرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"اس آیت کے سلسلہ میں جو قصص آئے ہیں ان میں لکھا ہے جب ہدہد ملکہ کے علاقے میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کی مملکت مختلف قسم کی عظیم الشان دیواروں سے گھری ہوئی ہے۔تو اس ہدہد نے ایک روشن دان کا رُخ کیا جو کہ اس نے طلوع آفتاب کے وقت سورج کی کرنیں داخل

ہونے کے لئے بنایا تھا تاکہ وہ اس کی عبادے کر سکے۔ ہدہد اس روشن دان سے داخل ہوا اور دیکھا کہ وہ سوئی ہوئی ہے۔ اس نے وہ خط ملکہ کی جانب پھینکا۔ اس پر وہ جاگ گئی اور سوچنے لگی کہ اس کے کمرہ میں کون داخل ہوا؟ جب اس نے سب کچھ اپنی جگہ پر دیکھا اور محسوس کیا کہ کوئی وہاں داخل نہیں ہوا تو اس نے اوپر کی جانب دیکھا تو سمجھ گئی۔۔۔۔ مقاتل کہتے ہیں کہ ہدہد نے یہ خط اپنی چونچ میں پکڑا ہوا تھا۔"[96]

علامہ ابن کثیر پنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہدہد نے بجائے چونچ کے اپنے پروں میں رکھا ہوا تھا۔[97]

علامہ کاشانی تفسیر القمّی کے حولہ سے لکھتے ہیں کہ

"وہ ملکہ ایک بڑے بلند و مضبوط دشوار گزار قلعہ میں ہوا کرتی تھی اس لئے حضرت سلیمان نے ہدہد کو حکم دیا کہ خط اس قلعہ کے گنبد میں سے اندر پھینک دے۔ جب ہدہد وہاں پہنچا اور خط اندر پھینکا تو خط اس کی جھولی میں گرا اس سے وہ چونک گئی۔"[98]

اوپر ایک جگہ بیان ہوا ہے کہ مفسرین نے یہ لکھا کہ حضرت سلیمانؑ نے ہدہد سے کہا کہ خط دے کر الگ کھڑے ہو کر دیکھنا کہ ملکہ یہ خط پڑھ کر کیا کرتی ہے۔ ایسا ہی جناب جاوید احمد غامدی نے بھی لکھا،

"مطلب یہ ہے کہ خط ڈال کر فوراً واپس نہ آجانا، بلکہ یہ دیکھنے کی کوشش بھی کرنا کہ اِس خط کو پا کر وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟"[99]

اس بات کے بر خلاف حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے اس میں سے ایک نہایت اعلیٰ نکتہ بیان فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:۔

" میرا یہ خط لے جا اور ان کے آگے رکھ دے پھر الگ ہو جاؤ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ حفظ مراتب کا لحاظ کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت موسیٰ کو حکم دیا۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰهٰ : 45) فرعون کے ساتھ نرم بات کرو۔ اَمَرَنا رَسُولُ الله اِنْ نُنَزِّلَ الناسَ منَازِلَهم ہر ایک آدمی کے مرتبہ کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی اس کو ادب کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا"[100]

### (ج) کیا یہ ملکہ پڑھی لکھی تھی؟

امام محمود الآلوسی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ ملکہ عربی زبان لکھنا جانتی تھی اور یعرب بن قحطان کی نسل سے تعلق رکھنے والی پڑھی لکھی خاتون تھی۔"[101]

علامہ زمخشری نے بھی اپنی تفسیر الکشاف میں اور صاحب تفسیر روح البیان میں یہی بات تحریر فرمائی ہے۔[102]

### (د) ملکہ نے اس خط کو کیوں کتاب کریم کہا؟

امام اسماعیل حقی لکھتے ہیں،

"حضرت سلیمانؑ کا معجزہ اُس مہر میں تھا جو آپ نے خط کو لگائی۔ جب ملکہ بلقیس نے خط دیکھا تو ایک زبردست رعب اس پر پڑا اور اس نے گواہی دی اور اس معجزہ کا اظہار کیا۔ کہ یہ خط معمولی نہیں بلکہ بہت معزز ہے۔ یہ حضرت سلیمان کے معجزات میں سے ہے۔"[103]

## (13) ملکہ سبا، سردارانِ سبا۔۔۔ اور ان کے درمیان گفتگو

علامہ ابن کثیر بیان کرتے ہیں:۔

"ابن عباس بیان کرتے ہیں، کہ ملکہ کے ایک ہزار قَیْل (رؤساء) تھے۔ ہر قَیْل کے زیر تصرف تین لاکھ سپاہیوں پر مشتمل فوج ہوا کرتی تھی۔۔۔ قتادۃ کہتے ہیں کہ ملکہ کی مجلس مشاروت تین سو تیرا اشخاص پر مشتمل تھی جن میں سے ہر ایک دس ہزار لوگوں کا نمائندہ تھا۔"[104]

علامہ ابن کثیر اس سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں:۔

"اعمش، مجاہد کے واسطے سے کہتے ہیں، کہ ملکہ کے بارہ ہزار قَیْل (رؤساء) تھے۔ ہر قَیْل کے زیر تصرف ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل فوج ہوا کرتی تھی۔۔۔ ملکہ کی مجلس مشاروت تین سو بارہ اشخاص پر مشتمل تھی جن میں سے ہر ایک دس ہزار لوگوں کا نمائندہ تھا۔"[105]

مندرجہ بالا روایات کے بارہ میں صاحب تفسیر القرطبی بیان کرتے ہیں:۔

"ان روایات کی اسانید میں ضعف ہے۔ بعض بوجہ عنعنہ اور تدلیس مخدوش روایات ہیں۔"[106]

## (14) (وَ إِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ) ملکہ سبا کا حضرت سلیمان علیہ السلام کو تحائف بھیجنا اور ایلچیوں کا آپ کے پاس آنا

### (الف) ملکہ سبا کے تحائف

علامہ زمخشری اپنی تفسیر الکشاف میں ان تحائف کی تفصیل میں تحریر کرتے ہیں:۔

"روایات میں آتا ہے کہ ملکہ نے پانچ سو لڑکوں کو لڑکیوں کا لباس پہنایا اور ان کو کنگن، ہار اور بالیاں پہنائیں۔ ان کو ایسے گھوڑوں پر سوار کیا جن پر ریشم کے کجاوے تھے۔ ان کی لگاموں اور زینیں سونے اور جواہر سے مرصع تھیں۔ اور ایسا ہی پانچ سو لڑکیاں لڑکوں کے لباس میں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک ہزار سونے کی اینٹیں، ایک موتیوں اور یاقوت سے مرصع تاج، مشک اور عنبر کی خوشبوئیں، ایک چھوٹی ڈبیہ جس میں ایک ناسفتہ (جس میں سوراخ نہ ہو) بڑا موتی تھا۔۔۔ اس نے ان تمام تحائف کے ساتھ اپنی قوم کے دو بڑے آدمیوں المنذر بن عمرو اور دوسرا ایک بہت صائب الرائے اور دانشمند انسان تھا کو بھیجا اور ان کو کہا، اگر وہ (یعنی حضرت سلیمانؑ) نبی ہوئے تو جو لڑکے لڑکیوں کے لباس میں ہیں ان کو پہچان جائیں گے۔۔۔ اور اگر انہوں نے تمہاری طرف غصہ سے دیکھا تو سمجھ لینا کہ وہ ایک بادشاہ ہیں۔ اور اگر وہ بشاشت اوت لطف کے ساتھ پیش آئیں تو نبی ہیں۔"[107]

امام محمود الآلوسی نے بھی اپنی تفسیر روح المعانی میں انہی روایات کو بیان کیا ہے۔[108]

امام قرطبی ملکہ کے تحائف بھیجنے کی حکمت کے بارہ میں لکھتے ہیں،

"یہ اس ملکہ کے حسن تدبیر اور حسن نظر کا کمال تھا۔ یعنی اس نے حضرت سلیمان کو پرکھنا چاہا، تا کہ اعلیٰ اور نفیس ترین اموال میں سے آپ کو دے، اگر آپ دنیاوی بادشاہ ہوئے تو مال وزرّ میں رغبت لیں گے اور اگر نبی ہوئے تو دینی امر کے معاملہ میں بات کریں گے۔ تب ہمیں ان پر ایمان لانا پڑے گا اور ان کی اتباع کرنی ہوگی۔ تو ملکہ نے عظیم الشان تحائف بھجوائے جس کی تفصیل مفسرین نے لکھی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں اس نے آپ کو سونے کی اینٹ بھیجی، جب ایلچی حضرت سلیمان کے پاس پہنچے تو انہوں نے تمام دیواریں سونے کی دیکھیں تو جو اینٹ وہ تحفۃً لائے اس کو بہت ہی چھوٹا سمجھا۔ مجاہد کہتے ہیں اس نے دو سو لڑکے اور دو سو لڑکیاں بھیجیں۔ ابن عباس کہتے ہیں، اس نے بارہ خدمت گزار لڑکے لڑکیوں کے لبا میں اور بارہ خدمت گزار لڑکیاں لڑکوں کے لباس میں بھیجیں۔ ان خدمت گزار لڑکیوں اور لڑکوں کے ہاتھوں میں مشک و عنبر سے بھرے تھال تھمائے۔ اس نے بارہ نجیب الطرف لڑکیاں بھیجیں جو سونے کی اینٹیں اٹھائے ہوئے تھیں۔ اس نے شاہی تاج کے جواہر بھی بھیجے جن میں سے ایک سوراخ دار تھا اور دوسرا بغیر

سوراخ کے۔ ملکہ نے ایک خالی برتن اور حمیر کے بادشاہوں کا شاہی عصا بھی بھیجا۔ یہ تمام تحائف اس نے لوگوں کے ایک بڑے گروہ کے ہاتھ بھیجے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایلچی ایک ہی تھا مگر اس کے ساتھ کافی سارے خدام و اتباع تھے۔۔۔ ملکہ نے ان (خدمت گزار) لڑکوں کو کہا، کہ جب سلیمان تم لوگوں سے بات کریں تو تم لڑکیاں بن کر جواب دو۔ اور ملکہ نے ان (خدمت گزار) لڑکیوں سے کہا، کہ جب سلیمان تم لوگوں سے بات کریں تو تم لڑکے بن کر جواب دو۔۔۔ حضرت سلیمان نے ان خدمت گزاروں کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ تو جس نے کلائی سے پہلے کہنی دھوئی اس کے بارہ میں آپ کہ معلوم ہو گیا کہ وہ لڑکی ہے۔ اور جس نے کہنی سے پہلے کلائی دھوئی اس کے بارہ میں آپ کہ معلوم ہو گیا کہ وہ لڑکا ہے۔ آپ نے عصا آسمان کی طرف اچھالا اور فرمایا اس کا جو بھی سرا زمین پر پہلے گرے گا وہ اس کا اصل ہے۔ آپ نے اس کے بعد گھوڑے دوڑائے یہاں تک کے وہ پسینے سے شرابور ہو گئے، آپ نے ان کے پسینے سے وہ خالی برتن بھرا۔ پھر حضرت سلیمانؑ نے وہ تحائف واپس بھیجے۔ کہا جاتا ہے کہ جن وہ تحائف واپس بھیجے گئے اور ایلچی نے سارا ماجرا ملکہ کو سنایا تو وہ بے اختیار بول پڑی، کہ یہ آسمانی امر ہے۔"[109]

علامہ ابن کثیر نے مندرجہ بالا روایات کو بیان کرتے ہوئے خالی برتن بھیجنے کی وجہ بیان کی ہے:۔

"ملکہ نے ایلچی سے کہا کہ سلیمان سے کہنا کہ اس برتن کو ایسے پانی سے بھریں جو نہ آسمان سے گرا ہو اور نہ زمین سے نکلا ہو۔ اس لئے آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینے سے برتن بھرا۔"[110]

امام کاشانی اپنی تفسیر میں بحوالہ تفسیر القمی لکھتے ہیں:۔

"اس ملکہ نے (اپنے سرداروں سے) کہا کہ اگر تو یہ (حضرت سلیمان) اللہ کے قائم کردہ نبی ہوئے تو ہمارے پاس ان سے لڑنے کی کوئی طاقت نہیں کیونکہ کوئی بھی اللہ پر غالب نہیں آسکتا۔ اگر آپ دنیاوی بادشاہ ہوئے تو مال و زرّ میں رغبت لیں گے۔۔۔ اس نے ایک ڈبیہ میں ایک بہت عالیشان بند موتی بھیجا اور کہلا بھیجا کہ سلیمانؑ سے کہنا کہ اس موتی کو بغیر لوہے یا آگ کے استعمال کے کھولیں۔ جب ایلچی آپ کے پاس آیا اور ملکہ کا پیغام اس موتی کے حوالہ سے دیا تو آپ نے اپنے جنود میں سے کیڑوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس کا دھاگہ اپنے منہ میں لے کر اس ڈبیہ کو چھیدا اور اس دھاگہ کا سرا باہر نکالا۔"[111]

**ان روایات پر صاحب تفسیر ابن کثیر کا تبصرہ**

"اللہ بہتر جانتا ہے کہ ایسا ہوا یا نہیں۔ بہر حال ان میں سے اکثر اسرائیلی روایات ہیں۔"[112]

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ ملکہ سبا کے تحائف بھیجنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس ہدیہ پر ناراض ہونا در حقیقت اس لئے تھا کہ وہ زیادہ زبردست بادشاہوں کا مونہہ رشوت سے بند کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ جب بلقیس کے تحائف حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہنچے تو انہوں نے سمجھا کہ اس نے مجھے بھی ایسا ہی بد اخلاق اور رشوت خور سمجھا ہے۔ اس کے اس فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔"[113]

**(ب) ایلچیوں کی آمد سے قبل ان کے استقبال کی تیاری**

علامہ زمخشری اس بارہ میں اپنی تفسیر الکشاف میں لکھتے ہیں:۔

"ہدہد واپس آیا اور ان تحائف کے بارہ میں حضرت سلیمان کو ان ایلچیوں کی آمد سے قبل ہے بتادیا۔ حضرت سلیمان نے جنوں کو حکم دیا کہ وہ سونے اور چاندی کی اینٹیں بنائیں اور ان کو ایک کھلے میدان میں جس کا طول سات فرانسخ (21 میل) ہو، میں بچھادیں۔ اس میدان کو ایک دیوار سے چاروں جوانب سے بند کر لیں۔ اور حکم دیا کہ بر و بحر کے خوبصورت ترین چوپایوں اور جانوروں کو اس میدان کی اطراف میں دودھ (کی نہر) پر باندھ دیں۔ جنوں کے بچوں کو حکم دیا کہ اس میدان کی اطراف میں کھڑے ہو جائیں۔ پھر آپ اپنے تخت پر تشریف فرما ہوئے اور اس کے گرداگرد کرسیان بچھائی گئیں۔ شیاطین، انس و جن، پرندوں اور وحوش نے میلوں میل دور صف بندی کی۔ جب یک قافلہ آیا اور اس نے یہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھے تو حیران رہ گئے۔ ان کی عقلیں جانوروں کو دودھ میں لید کرتے دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ یہ سب دیکھ کر انہوں نے (جو تحائف ان کے پاس تھے کو) پھینک دیا۔ جب یہ لوگ حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور پوچھا کہ وہ ڈبیہ کہاں ہے؟ اس کی خبر جبرئیل نے آپ کو پہلے ہی دے دی تھی۔"[114]

امام القرطبی اور امام اسماعیل حقی نے بھی اسی مندرجہ ذیل روایت کو اپنی تفسیر میں جگہ دی ہے۔[115]

**(ج) ملکہ کا حضرت سلیمانؑ کے پاس آنا**

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

"یزید بن رومان کہتے ہیں کہ جب ایلچی اس کے پاس واپس آئے تو حضرت سلیمان کے ساتھ پیش آمدہ واقعات بتائے تو ملکہ نے کہا، خدا کی قسم مجھے معلوم تھا کہ یہ بادشاہ نہیں ہیں اور نہ ہی ہم میں ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت ہے۔ نہ ہی ہم ان سے کوئی مخالفت مول لے سکتے ہیں۔ اس نے آپ کی طرف ایک ایلچی بھیجا اور پیغام دیا کہ میں آپ کی طرف اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آرہی ہوں تاکہ مجھے پتہ چلے کہ آپ مجھے اپنے کس دین کی طرف بلا رہے ہیں۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس کا تخت لایا جائے جس پر وہ بیٹھتی تھی۔ یہ تخت سونے کا تھا جس پر یاقوت وزبرجد اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ اس کے سات دروازے تھے جو ایکدوسرے میں کُھلتے تھے۔ ملکہ نے ایک شخص کو جو اس نے اپنے پیچھے اپنا نائب بنایا، کہا، کہ ہر چیز کا دھیان رکھنا، میرے تخت کی حفاظت کرنا۔ اور جب تک میں واپس نہ آجاؤں نہ اس کے پاس کوئی جائے اور نہ ہی کوئی اللہ کا بندہ دیکھے۔ پھر یہ اپنے بارہ ہزار قیل (حمیری سرداروں کا لقب) کے ساتھ جن کے نیچے ہزاروں لوگ تھے، گئی۔"[116]

امام اسماعیل حقی اپنی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:۔

"روایات میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان نے ملکہ کے آنے سے قبل حکم دیا کہ ایک محل بنایا جائے جس کا صحن شفاف شیشے کا ہو۔ اس کے نیچے سے تالاب کی صورت میں پانی بہایا جائے اور اس تالاب میں مچھلیاں اور آبی جاندار وغیرہ ڈالے جائیں۔"[117]

مولانا وحید الدین خاں اپنی تفسیر التذکیر میں لکھتے ہیں:۔

"ملکہ سبا یمن سے فلسطین کے لئے روانہ ہوئی تاکہ وہ حضرت سلیمان کے دربار میں پہنچ کر براہِ راست آپ سے گفتگو کرے۔ ملکہ سبا کا اپنے خدم و حشم کے ساتھ یہ سفر یقیناً اس وقت ہوا ہو گا جب کہ اس کے سفارتی وفد نے واپس جا کر حضرت سلیمانؑ کی حکمت کی باتیں اور آپ کے غیر معمولی کردار کی شہادت دی اور آپ کی غیر معمولی عظمت کا حال بیان کیا۔ مارب سے یروشلم کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ ہزار میل ہے۔"[118]

**صاحب تفسیر روح المعانی امام محمود الآلوسی کا مندرجہ بالا روایات پر تبصرہ**

امام محمود الآلوسی صاحب تفسیر روح المعانی نے بھی انہی مندرجہ بالا روایات کو بیان کیا ہے تاہم ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ان تمام روایات کی صحت و ضعف کا کچھ علم نہیں۔ مگر دل ان کے جھوٹا ہونے کی طرف مائل ہوتا ہے۔"[119]

## (15) (عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ) سے مراد

امام القرطبی اپنی تفسیر میں اس سے جو بھی مراد لی گئی ہے ان سب روایات کو جمع کر کے لکھتے ہیں:۔

"نحاس کہتے ہیں کہ اگر کسی میں خباثت اور چالاکی دونوں موجود ہوں تو ایسے شخص کو عِفْرِيتٌ کہتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ عِفْرِيتٌ سے مراد (جنوں کا) سردار ہے۔۔۔ عِفْرِيتٌ شیاطین میں سے بہت قوت والے سرکش کو بولتے ہیں۔ وھب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس عِفْرِيتٌ کا نام کودن تھا۔ نحاس کہتے ہیں اس کا نام ذکوان تھا۔ شعیب الجبائی کہتے ہیں کہ اس کا نام دعوان تھا۔"[120]

علامہ زمخشری تفسیر الکشاف میں بھی اسی مندرجہ بالا روایت کو بیان کرتے ہیں۔[121]

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

"مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد سرکش جن ہے۔ شعیب الجبائی، وھب بن منبہ اور محمد بن اسحٰق کے نزدیک اس کا نام کوذن تھا۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ وہ ایسا تھا کہ گویا بہت بڑا پہاڑ۔"[122]

امام اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان اس عِفْرِيتٌ کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

"اس لفظ (عِفْرِيتٌ) میں تاء مبالغہ کی ہے۔ کواشی میں لکھا ہے کہ اس کا نام ذکوان تھا۔۔۔ یہ جن پہلے حضرت سلیمانؑ سے باغی ہو چکا تھا۔ یہ جن ایک بہت بڑے پہاڑ کی مانند تھا۔"[123]

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس (عِفْرِيتٌ) سے مراد یہ لیتے ہیں:۔

" وہ لوگ جو خاص باڈی گارڈ تھے ان کا ایک سردار بولا کہ آپ کے چڑھائی کرنے سے پہلے میں وہ تخت لے آئے گا۔ چونکہ وہ سردار لشکر تھا۔ اس کو پتہ تھا کہ اس لشکر کا یہاں کتنے عرصہ تک پڑاؤ ہو گا۔ اس لئے اس نے اندازہ کر لیا کہ اتنے دنوں میں ملکہ کو مرعوب کر کے وہ تخت لایا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا کہ میں ایک طاقتور سردار ہوں اور اس چھوٹے سے ملک کی فوج میرا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور میں آپ کا مطیع بھی ہوں۔ اس مال کے لانے میں کسی قسم کی خیانت مجھ سے نہیں ہو گی۔ لیکن ایک اَور شخص جس کو دینی علم حاصل تھا اس نے کہا کہ آپ کے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے میں وہ تخت لے آؤں گا۔"[124]

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع، مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ اپنے ترجمۃ القرآن میں اس مقام پر فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" " عِفْرِيتٌ " جس کو جنّ ظاہر کیا گیا ہے کوئی ایسا جن نہیں تھا جس کو عرف عام میں جن کہا جاتا ہے۔ پہاڑی قوموں کے جابر سرداروں کو بھی جنّ کہا جاتا ہے جو حضرت سلیمان کے تابع کئے گئے تھے۔ "[125]

### (ب) (قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ) سے مراد

امام محمود الآلوسی اس آیت کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ اپنی نشست سے (واپس گھر جانے کے لئے) اٹھیں۔ آپ ہر روز صبح سے لے کر ظہر تک اپنے حکومتی ایوان میں تشریف فرما ہوتے۔ قتادۃ، مجاہد اور وھب کہتے ہیں کہ اس سے مراد آپ کا اپنی نشست سے (صرف ایک لمحے کے لئے) اٹھنا مراد ہے۔"[126]

پادری وھیری اپنی کمنٹری میں یہی بات سیل کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"from thy seat of justice. For Solomon used to sit in judgment every day till noon." — Sale.[127] "

امام کاشانی اپنی تفسیر الصافی میں اسی بات کو نقل کرتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ اپنی نشست سے (واپس گھر جانے کے لئے) اٹھیں۔"[128]

## (16) الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ سے مراد

### (الف) الَّذِي عِنْدَهُ سے مراد کون شخص ہے؟

مفسرین نے اس شخص کے قریباً چودہ مختلف نام گنوائے ہیں۔ امام القرطبی اپنی تفسیر میں اس شخص کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

"اس شخص کے بارہ میں جس کے پاس علم کتاب تھا، اکثر مفسرین نے اس کا نام **آصف بن برخیا** بیان کیا ہے۔ وہ حضرت سلیمانؑ کا گہرا دوست تھا۔ ۔۔ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ **ایک نیک آدمی** تھا جو کہ کسی جزیرہ میں رہتا تھا۔۔۔ قشیری کے نزدیک اس کا نام **یملیخا** تھا "[129]

امام اسماعیل حقی انی تفسیر میں اس شخص کی تعیین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" یہ آصف بن برخیا نامی شخص تھا جو کہ حضرت سلیمانؑ کی خالہ کا بیٹا تھا اور آپ کا وزیر اور آپ کا شاہی کاتب بھی تھا۔۔۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان کی مدد، نصرت اور آپ کے امور کی تنفیذ کے لئے پیدا کیا تھا۔۔۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد **جبریل** ہے کیونکہ وہ اولیاء کی کرامات کو نہیں مانتے۔"[130]

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس کے اسماء کے بارہ میں بیان کرتے ہیں:۔

"مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا نام **اسطوم** تھا۔ قتادۃ سے منسوب ایک روایت میں اس کا نام **بلیخا** آیا ہے۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ اس کا نام **ذوالنور** تھا۔"[131]

امام زمخشری اپنی تفسیر الکشاف میں تحریر کرتے ہیں:۔

"کہا جاتا ہے کہ یہ ایک **فرشتہ** تھا جس کو اللہ نے آپ کی تائید کے لئے بھیجا تھا۔۔۔ ابن لھیعۃ کہتے ہیں کہ یہ **خضر** تھے۔"[132]

علامہ الآلوسی اپنی تفسیر میں اس کے کچھ اور نام گنواتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس کا نام **اسطورس** بھی آیا ہے۔۔۔ **ملخ** بھی آیا ہے۔ اور **تملیخا** بھی آیا ہے۔ اور **ھود** بھی آیا ہے۔۔۔ کچھ علماء کے نزدیک یہ **ضبّة بن اُدّ** تھے۔ الجبائی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت **سلیمانؑ** خود ہیں۔۔۔ حسن کہتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا، اس کی ماں کا نام باطورا تھا۔ مجمع البیان میں ہے کہ یہ شخص آپ کی بہن کا بیٹا تھا۔"[133]

علامہ کاشانی اپنی تفسیر الصافی میں لکھتے ہیں:۔

"روضۃ الواعظین میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ کون شخص تھا جس کے پاس علم الکتاب تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ میرے بھائی سلیمان بن داؤد کا وصی تھا۔"[134]

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ اس سے مراد ایک یہودی سردار لیتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:۔

" پس جب ایک سردار نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ملکہ سبا کا تخت اس کی فوج سے لڑ بھڑ کر اس لشکر کے کوچ کرنے سے پہلے لا سکتا ہے۔ تو ایک یہودی عالم بول پڑا اور اس نے کہا کہ وہ تخت میں اس شخص کے تخت لانے سے بھی پہلے حاضر کر دیتا ہوں۔ یعنی جتنی دیر میں یہ غیر یہودی سرردار یا اودمی یا عرب کا سردار کام کرے گا اس سے پہلے میں یہ کام کر لوں گا۔ یعنی ایک نیا اور اعلیٰ درجہ کا تخت بنوا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کر دوں گا اور چونکہ وہ یہود کا ملک تھا۔ اس لئے عبرانی عالم کو یقین تھا کہ یہودی ماہرین صنعت میرے لئے بہت جلد یہ کام کر دیں گے۔ پس اس نے عفریت سے بھی پہلے عرش لانے کا وعدہ کیا۔"[135]

## (ب) عِلْمٌ مِنَ الْکِتَابِ سے کیا مراد ہے؟

امام القرطبی اس بارہ میں لکھتے ہیں:۔

" اس شخص کو اللہ کا اسم اعظم معلوم تھا وہ جب بھی اس کے ذریعہ سے دعا کرتا اس کی دعا قبول ہوتی۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ اسم اعظم ان کی اپنی زبان کا لفظ "اھیا شراھیا" تھا۔ زہری کے نزدیک یہ اسم اعظم "یا الٰھنا و الٰہ کلّ شیئٍ الٰھا واحداً لا الٰہ الاّ انتَ " مجاہد کہتے ہیں کہ "یا الٰھنا و الٰہ کلّ شیئٍ یا ذا الجلال والاکرام"[136]

امام زمخشری اپنی تفسیر میں اس سے متعلق لکھتے ہیں:۔

"حسن بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ و الرحمٰن ہے۔۔۔عِلْمٌ مِنَ الْکِتَابِ سے مراد علم وحی و علم شریعت ہے۔"[137]

علامہ کاشانی البصائر اور تفسیر القمّی کے حوالہ سے اپنی تفسیر الصافی میں اس اسم اعظم سے متعلق لکھتے ہیں:۔

"باقر سے روایت ہے کہ اللہ کا اسم اعظم تہتر حروف پر مشتمل ہے جس میں سے آصف کے پاس صرف ایک حرف تھا جب اس (آصف) نے یہ حرف بولا تو وہ زمین کی گہرائیوں میں غائب ہو گیا اور بلقیس کے تخت تک پہنچ گیا۔ اور پلک جھپکتے ہی وہ تخت واپس سلیمانؑ کے پاس لے آیا۔ ہمارے پاس اس اسم اعظم کے بہتر حروف ہیں۔"[138]

امام اسماعیل حقی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ

"کتاب سے مراد وہی کتب سماوی ہیں جو موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام اور ان کے علاوہ انبیاء پر اتریں یا اس سے مراد لوح اور چھپے ہوئے اسرار بھی ہو سکتے ہیں۔"[139]

امام القرطبی نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں ہے کہ اس سے مراد حضرت سلیمانؑ کے بلقیس کے نام خط کا نفس مضمون تھا( نہ کہ کوئی اسم اعظم)۔"[140]

کیا اس اسم اعظم سے حضرت سلیمانؑ بے خبر تھے ؟ اس کا جواب دیتے ہوئے امام کاشانی ایک روایت بیان کرتے ہیں:۔

"جس کے پاس یہ اسم اعظم تھا اس کا نام آصف بن برخیا تھا۔ حضرت سلیمانؑ اس کے تمام امور سے باخبر تھے۔ مگر آپ نے چاہا کہ جن و انس آصف کو اچھی طرح پہچان لیں کہ یہی شخص آپ کے بعد ان کے لئے آپ کا قائمقام بننے والا تھا۔ یہ سلیمانؑ کا علم تھا جو کہ آصف کو اللہ کے حکم سے عطا ہوا یہ بات اللہ نے سلیمان کو سمجھا دی تھی تا کہ آپ کے بعد امامت و نبوت میں کوئی اختلاف نہ ہو۔ ایسا ہی حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ان کو سلیمان کے بارہ میں سمجھا دیا گیا تھا تا کہ آپ کے بعد امامت و حجت کے بارہ میں مخلوق کو کوئی ابہام پیدا نہ ہو۔"[141]

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ سے مراد دینی علم لیا ہے۔[142]

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع، مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ اپنے ترجمۃ القرآن میں اس مقام پر فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" " اس آیت میں علم کتاب سے مراد بائبل کا علم نہیں بلکہ سائنسی علم مراد ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ علم دو قسم کے ہیں علمُ الادیانِ و علمُ الابدانِ ۔ یہ اس کی ایک مثال ہے۔ وہ سائنسی علوم کا بہت بڑا ماہر تھا اور اپنے علم کے زور سے مشکل سے مشکل چیز کی بھی نقل اتار سکتا تھا۔ ملکہ سبا کے تخت جیسا تخت بنانا بھی ایک مشکل کام تھا مگر اس نے دعویٰ کیا کہ میں یہ تخت بنا دوں گا اس سے پہلے کے تیرا نگہبان دستہ سرحدوں سے واپس تجھ تک پہنچ جائے۔" [143]

### (ج) يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ سے کیا مراد ہے؟

علامہ زمخشری اپنی تفسیر میں اس قرآنی محاورہ کے بارہ میں تحریر کرتے ہیں:۔

"روایات میں آتا ہے کہ آصف نے سلیمانؑ سے کہا آپ اپنی آنکھیں کھول کر رکھیں اس سے پہلے کہ آپ اپنی پلکیں جھپکیں میں تختِ بلقیس لے آؤں گا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں آصف نے دعا کی اور زمیں میں غائب ہوا اور معاً آپ کے پلک جھپکنے سے قبل تخت آپ کے سامنے لے آیا۔۔۔ اس محاورہ سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ قلیل عرصہ میں لے آؤں گا، جیسے کہ ہم روز مرہ کی زبان میں کہتے ہیں کہ ایک لمحہ میں یہ کام کر و اس سے مراد جلدی یا سرعت سے کام کرنا ہوتا ہے۔"[144]

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس سرعت سے تخت کے لانے کو حضرت سلیمانؑ کی نبوت پر نشان کے طور پر لیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان اس تخت کے جلدی لانے کو اپنی بادشاہت کی عظمت، اپنے جنود کی تسخیر جو کہ آپؑ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی اور نہ ہی آپ کے بعد دی گئی پر اور اپنی نبوت پر ایک حجت اور دلیل کے طور پر بلقیس اور اس قوم کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ یہ ایک خارق عادت امر تھا کہ لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی درآنحالیکہ اس تخت کی محافظت پر طرح طرح کے جتن کئے گئے تھے وہ تخت وہاں پہنچ جائے۔ اسی لئے سلیمان نے فرمایا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ جلدی اور سرعت سے یہ تخت اپنے سامنے چاہیئے۔"[145]

امام القرطبی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:۔

"یہ محاورہ عفریت نے بولا اور ایسا کام نہ ہی از قبیل معجزات ہے اور نہ کرامات میں سے۔ کیونکہ جنوں کو یہ طاقتیں حاصل ہوتی ہیں۔۔۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ اس تخت کو ہوا میں اڑاتا ہوا لایا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ سلیمانؑ اور تخت کے درمیان کوفہ اور حیرۃ جتنا فاصلہ تھا۔ مالک کہتے ہیں کہ ملکہ یمن میں تھی اور سلیمان شام میں۔ تفاسیر میں یہ بھی آیا ہے کہ تخت بلقیس کے ہاں سے زیر زمین غائب ہوا اور سلیمانؑ کے پاس نکلا۔"[146]

امام ابن کثیر نے بھی یہی بات بیان کی۔[147]

تفسیر الصافی میں علامہ کاشانی کہتے ہیں:۔

"الکافی میں لکھا ہے کہ جب آصف نے اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی تو اس کے اور سبا کے درمیان زمین پھٹ گئی۔ اس نے تخت بلقیس لیا اور سلیمان کے سامنے لے آیا۔ پھر زمین دوبارہ جُڑ گئی۔ المجمع میں ہے کہ امام جعفر الصادق فرماتے ہیں کہ زمین اس کے لئے لپیٹ دی گئی تھی۔"[148]

جناب جاوید احمد غامدی اس بارہ میں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"یعنی کائنات میں کار فرما خدا کے قانون کا علم۔ یہ غالباً اُسی نوعیت کا کوئی علم تھا جو ہاروت و ماروت کے ذریعے سے دیا گیا۔ اِس کی وضاحت ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں آیت ۱۰۲ کے تحت کر چکے ہیں۔ دور حاضر کے سائنس دان مادے میں کار فرما قوانین کو دریافت کر کے جس طرح کے کرشمے دکھا رہے ہیں، زمانۂ قدیم میں اِسی طرح کے کرشمے نفسی علوم کے ماہرین نفس میں کار فرما قوانین کے ذریعے سے دکھاتے رہے ہیں۔ ہندو، بدھ، مسیحی اور مسلمان صوفیا کے تذکروں میں اِس کے واقعات دیکھے جا سکتے ہیں۔ اِس پر کم سے کم اِس زمانے کے لوگوں کو کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے جس کے سائنس دان ہزاروں لاکھوں میل کے فاصلے سے زندہ انسانوں کی آواز، تصویریں اور نقل و حرکت چشم زدن میں اُسی طرح اٹھالاتے ہیں، جس طرح حضرت سلیمان کے دربار کا یہ شخص ملکۂ بلقیس کا تخت اٹھالایا تھا۔"[149]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اس سے مراد یہ لیتے ہیں:۔

"سرکاری معاملہ۔ جو ہر سہ ماہی یا ششماہی کے بعد آتا ہے اسے طرف کہتے ہیں۔ 2۔ بادشاہوں کو کسی بات کا خیال لگا ہو اس خیال کے متعلق جواب آوے تو اسے طرف کہتے ہیں۔ 3۔ عربی میں جو قاصد آوے اسے طرف کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ عرب سے ایک طرف پر ہے۔ پس معنے ہوئے کہ قبل اس کے کہ یمن کے لوگ آئیں یا آپ کو جن کے آنے کا خیال ہے وہ آئیں یا قبل اس کے کہ آپ کا مالیہ وصول ہو۔"[150]

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

" اس فقرہ کے وہی معنے ہیں جو عام بول چال میں استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی جلدی کے۔ چنانچہ جب کسی کام کے جلدی کرنے کا ذکر کرنا ہو تو یہی کہا کرتے ہیں کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے یہ کام ہو جائے گا۔ پس جب ایک سردار نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ملکہ سبا کا تخت اس کی فوج سے لڑ بھڑ کر اس لشکر کے کوچ کرنے سے پہلے لا سکتا ہے۔ تو ایک یہودی عالم بول پڑا اور اس نے کہا کہ وہ تخت میں اس شخص کے تخت لانے سے بھی پہلے حاضر کر دیتا ہوں۔ یعنی جتنی دیر میں یہ غیر یہودی سردار یا اودمی یا عرب کا سردار کام کرے گا اس سے پہلے میں یہ کام کر لوں گا۔ یعنی ایک نیا اور اعلیٰ درجہ کا تخت بنوا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کر دوں گا اور چونکہ وہ یہود کا ملک تھا۔ اس لئے عبرانی عالم کو یقین تھا کہ یہودی ماہرین صنعت میرے لئے بہت جلد یہ کام کر دیں گے۔ پس اس نے عفریت سے بھی پہلے عرش لانے کا وعدہ کیا۔"[151]

## (17) نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا سے مراد

امام قرطبی نے اس سے مختلف معانی مراد لئے ہیں اور اس سلسلہ میں روایات بھی اکھٹی کی ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

" نَكِّرُوا لَهَا یعنی اس کو بدل دو۔ یعنی اس کے اوپری حصی کو نیچے اور نچلے حصہ کو اوپر کر دو۔ یہ بھی مراد لیا گیا ہے کہ اس میں کمی بیشی کر کے اس کو کچھ تبدیل کر دو۔ فرآء کے نزدیک اس کو تبدیل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ شیاطین نے حضرت سلیمان سے کہا تھا کہ وہ ملکہ ناقص العقل ہے، تو حضرت سلیمانؑ نے اس کی سمجھ بوجھ کو پرکھنے کے لئے اس کے تخت کو منگوا کر بدلنے کا کہا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنّ اس بات سے ڈر گئے کہ اگر آپ نے اس ملکہ سے شادی کر لی اور آپ کے ہاں اولاد ہوئی تو ہم آپ کی اولاد کے بھی خدمت گزار رہیں گے۔ اس لئے انہوں نے آپ کو کہا کہ یہ ملکہ بے وقوف ہے اور اس کی ایک ٹانگ گدھے کی ہے۔ اس لئے آپ نے کہا نَكِّرُوا لَهَا۔"[152]

علامہ زمخشری نے اس کا معنٰی یہ کیا ہے:۔

"اس (تخت) کو ایسا متغیر کر دو کہ کسی کو پتا ہی نہ چلے کہ یہ وہی تخت بلقیس ہے۔ اس کو بڑا اور کھلا کر دو اور اس کا اگلا حصہ پچھلے سے اور پچھلا حصہ اگلے سے بدل دو۔"[153]

امام محمود الآلوسی نے بھی اسی بات کو اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے۔[154]

امام ابن کثیر نے اس کی تبدیلی کی ایک اور جہت بیان کی ہے، آپ فرماتے ہیں:۔

"ابن عباس سے روایت ہے کہ اس تخت کے کچھ نگینے اور کچھ حصے اتارے گئے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں، اس کے سرخ حصہ کو پیلا اور پیلے کو سرخ میں تبدیل کیا گیا۔ اور جو حصہ سبز تھا اس کو بھی سرخ رنگ سے تبدیل کیا گیا۔"[155]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"اس تخت کو ایسا بناؤ کہ اسے اپنا تخت ناپسند ہو جائے۔"[156]

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

" یہ تخت جو تم لائے ہو ہے تو اچھا لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے تخت سے بھی زیادہ اچھا تخت ہو۔ پس تم ملکہ کے لئے اس کے تخت کو حقیر بنا دو یعنی ایسا تخت بناؤ کہ اس ے اپنا تخت حقیر نظر آنے لگے۔ میں یہ دیکھنا چاہا ہوں کہ کیا وہ اس بات کو دیکھ کر تسلیم کر لیتی ہے یا نہیں کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کے بڑے فضل ہیں یا اپنے گھمنڈ پر قائم رہتی ہے۔"[157]

## (18) وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا سے مراد

### (الف) تالاب بنانے کی وجہ

اس سے قبل حضرت سلیمان کے پانی کے تالاب بنانے کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس تالاب بنانے کی وجہ مفسرین نے لکھی ہے، مثلاً امام القرطبی لکھتے ہیں:۔

" روایات میں آتا ہے کہ کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ جنّوں نے آپ کو کہا تھا کہ بلقیس کی والدہ جنیہ تھیں اور اس کی ایک ٹانگ گدھے کی ٹانگ جیسی ہے۔ وھب بن منبہ کہتے ہیں۔ کہ جب بلقیس نے وہ تالاب دیکھا تو وہ گھبرا گئی اور سمجھی کہ شائد سلیمانؑ اس کو اس میں ڈبونا چاہتے ہیں۔ اور پانی پر اپنی نشست دیکھ کر متعجب ہوئی۔۔۔ جب اس نے کپڑا اپنی پنڈلیوں پر سے (پانی سے بچنے کی غرض سے اٹھایا تو حضرت سلیمان نے دیکھا کہ اس کی پنڈلیاں تو نہایت خوبصورت ہیں مگر ان پر بہت بال ہیں مگر وہ جو کچھ جنّوں نے اس کے بارہ میں کہا وہ سب غلط ہے۔"[158]

اس کے پنڈلیوں پر بالوں کے حوالہ سے اسی مندرجہ بالا روایت کو مکمل کرتے ہوئے امام ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

"ملکہ کو اپنے بالوں کی صفائی کے لئے استرے کی پیشکش کی گئی جو کہ اس نے ٹھکرا دی۔ حضرت سلیمانؑ نے جنوں سے کہا کہ استرے کے علاوہ کوئی اور راہ نکالو۔ تو جنّوں نے ایک بال صاف کرنے والا پاؤڈر بنایا۔ یہ (تاریخ میں) پہلی خاتون تھی جس نے بال صاف کرنے والے پاؤڈر کا استعمال کیا۔"[159]

علامہ کاشانی نے تفسیر القمی کے حوالہ سے اسی مندرجہ بالا روایت کو لکھا ہے۔[160]

انہی مندرجہ بالا روایات کو امام زمخشری نے اپنی تفسیر الکشاف میں جگہ دی ہے۔[161]

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس سرگزشت کو نہایت دلربا انداز میں کچھ ایسے بیان فرماتے ہیں:۔

"قرآن شریف میں ایک ملکہ کا قصہ لکھا ہے جو آفتاب پرست تھی اور اس کا نام بلقیس تھا اور وہ اپنے ملک کی بادشاہ تھی اور ایسا ہوا کہ اس وقت کے نبی نے اس کو دھمکی دے بھیجی کہ تجھے ہمارے پاس حاضر ہونا چاہئے ورنہ ہمارا لشکر تیرے پر چڑھائی کرے گا اور پھر تیری خیر نہیں ہوگی۔ پس وہ ڈر گئی اور اس نبی کے پاس حاضر ہونے کے لئے اپنے شہر سے روانہ ہوئی اور قبل اس کے کہ وہ حاضر ہو اس کو متنبہ کرنے کے لئے ایک ایسا محل طیار کیا گیا جس پر نہایت مصفّا شیشہ کا فرش تھا اور اس فرش کے نیچے نہر کی طرح ایک وسیع خندق طیار کی گئی تھی جس میں پانی بہتا تھا اور پانی میں مچھلیاں چلتی تھیں جب وہ ملکہ اس جگہ پہنچی تو اس کو حکم دیا گیا کہ محل کے اندر آجا تب اس نے نزدیک جاکر دیکھا کہ پانی زور سے بہہ رہا ہے اور اس میں مچھلیاں ہیں۔ اس نظارہ سے اس پر یہ اثر ہوا کہ اُس نے اپنی پنڈلیوں پر سے کپڑا اُٹھالیا کہ ایسا نہ ہو کہ پانی میں تر ہو جائے۔ تب اُس نبی نے اس ملکہ کو جس کا نام بلقیس تھا آواز دی کہ اے بلقیس تو کس غلطی میں گرفتار ہو گئی۔ یہ تو پانی نہیں ہے جس سے ڈر کر تو نے پاجامہ اُوپر اُٹھالیا۔ یہ تو شیشہ کا فرش ہے اور پانی اس کے نیچے ہے۔ اس مقام میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ یعنی اس نبی نے کہا کہ اے بلقیس تو کیوں دھوکا کھاتی ہے یہ تو شیش محل کے شیشے ہیں جو اُوپر کی سطح پر بطور فرش کے لگائے گئے ہیں اور پانی جو زور سے بہہ رہا ہے وہ تو ان شیشوں کے نیچے ہے نہ کہ یہ خود پانی ہیں تب وہ سمجھ گئی کہ میری مذہبی غلطی پر مجھے ہوشیار کیا گیا ہے اور مَیں نے فی الحقیقت جہالت کی راہ اختیار کر رکھی تھی جو سورج کی پوجا کرتی تھی۔

تب وہ خدائے واحد لاشریک پر ایمان لائی اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں اور اُس نے یقین کر لیا کہ وہ طاقتِ عظمیٰ جس کی پرستش کرنی چاہئے وہ تو اور ہے اور مَیں دھوکہ میں رہی اور سطحی چیز کو معبود ٹھہرایا اور اس نبی کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ دنیا ایک شیش محل ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور عناصر وغیرہ جو کچھ کام کر رہے ہیں۔ یہ دراصل ان کے کام نہیں یہ تو بطور شیشوں کے ہیں بلکہ ان کے نیچے ایک طاقت مخفی ہے جو خدا ہے۔ یہ سب اس کے کام ہیں۔ اس نظارہ کو دیکھ کر بلقیس نے سچے دل سے سورج کی پوجا سے توبہ کی اور سمجھ لیا کہ وہ طاقت ہی اور ہے کہ سورج وغیرہ سے کام کراتی ہے اور یہ تو صرف شیشے ہیں۔"[162]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا کی مختلف انداز میں تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس کے معنے ہیں "گھبرا گئی" خوب یاد رکھو کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ سورج کی جو تیری قوم پرستش کرتی ہے وہ ایسی ہی غلطی میں گرفتار ہے جس طرح یہ شیشہ ہے اور اس کے نیچے پانی ہے ایسا ہی سورج کو روشنی دینے والا ایک اور نور ہے۔ اصل وہی ذات ہے۔"[163]

**(ب) ملکہ پر ناقص العقل اور اس کی ٹانگ گدھے کی سی ہونے سے متعلق الزامات کی وجہ**

امام اسماعیل حقی شیاطین کی طرف سے ان الزامات کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ اس وجہ سے تھا کہ شیاطین ڈرتے تھے کہ کیونکہ بلقیس کی ماں جنیہ تھی، تو اس کو اپنی ماں کے حالات سے کافی کچھ واقفیت ہو گی اور یہ حضرت سلیمانؑ کو ہمارے رازوں سے متعلق باخبر کر دے گی۔ اور اگر حضرت سلیمانؑ نے اس سے شادی کر لی تو ان کی اولاد میں جنّ و انس دونوں کی طاقتیں جمع ہو جائیں گی اور پھر یہ ہمارے لئے بہت برا ہو گا اور ہماری جان اس تسخیر سے کبھی نہ چھوٹے گی۔ اس پر حضرت سلیمانؑ نے اس کی عقل و خرد اور اس کی ٹانگ کو دیکھنے کے لئے یہ تالاب وغیرہ بنوایا۔"[164]

مولانا وحید الدین خاں نے اپنی تفسیر میں اس تالاب اور ملکہ بلقیس کے شیشہ کو پانی سمجھنے کے واقعہ کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"ملکہ جب چلتے ہوئے یہاں پہنچی تو اس کو اچانک محسوس ہوا کہ اس کے آگے پانی کا حوض ہے۔ اس وقت اس نے وہی کیا جو پانی میں اترنے والا ہر آدمی کرتا ہے۔ یعنی اس نے غیر ارادی طور پر اپنے کپڑے اٹھا لئے۔ اس طرح گویا کہ عملی تجربہ کی زبان میں اس کو بتایا گیا کہ انسان ظاہر کو دیکھ کر فریب کھا جاتا ہے مگر اصل حقیقت اکثر اس سے مختلف ہوتی ہے جو ظاہری آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے۔ آدمی ظاہری طور پر سورج اور چاند کو نمایاں دیکھ کر ان کی پرستش کرنے لگتا ہے حالانکہ حقیقی خدا وہ ہے جو ان ظواہر سے آگے ہے۔"[165]

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ اس کی عارفانہ تفسیر کرتے ہوئے، فرماتے ہیں:۔

" اصل بات صرف اتنی ہے۔ کہ ملکہ سبا ایک مشرکہ عورت تھی اور سورج پرست تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے کہ وہ شرک چھوڑ دے ۔اس کے لئے آپ نے اسے زبانی بھی نصیحت فرمائی۔ مگر پھر آپ نے چاہا کہ عملاً بھی اسکے عقیدہ کی غلطی اس پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اس کے لئے آپ نے یہ طریق اختیار کیا کہ اس کے قیام کے لئے آپ نے ایک ایسا محل تجویز فرمایا جس میں شیشہ کا فرش تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ جب ملکہ اس کے فرش پر سے گذرنے لگی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ پانی ہے اور اس نے جھٹ اپنی پنڈلیوں پر سے کپڑا اٹھا لیا یا اسے دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔ (كَشَفَ عَنْ سَاقٍ کے یہ دونوں معنے ہیں) اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے تسلی دی اور کہا کہ بی بی! دھوکا مت کھاؤ۔ جسے تم پانی سمجھتی ہو یہ تو دراصل شیشہ کا فرش ہے اور پانی اس کے نیچے ہے۔ چونکہ پہلے آپ دلائل سے شرک کی غلطی اس پر واضح کر چکے تھے اس نے فوراً سمجھ لیا کہ انہوں نے ایک عملی مثال دے کر مجھ پر شرک کی حقیقت کھول دی ہے اور سمجھایا ہے کہ جس طرح پانی کی جھلک شیشہ میں تجھے نظر آئی ہے اور تو نے اسے پانی سمجھ لیا ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کا نور اجرام فلکی میں سے جھلک رہا ہے۔ چنانچہ اس دلیل سے وہ بڑی متاثر ہوئی اور بے اختیار کہہ اٹھی کہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی اے میرے رب میں نے شرک کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔ اب میں سلیمان کے ساتھ یعنی اس کے دین کے مطابق اس خدا پر ایمان لاتی ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے اور سورج اور چاند وغیرہ بھی اسی سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔"[166]

## (19) کیا حضرت سلیمانؑ نے اس ملکہ کے ساتھ شادی کر لی تھی؟

امام القرطبی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"حضرت سلیمانؑ نے بلقیس سے وہیں شادی کر لی اور آپ نے ملکہ کو شام میں ہی ٹھہرا لیا۔ سعید بن عبد العزیز نے لکھا آپ نے اس سے شادی کر لی اور ملکہ کو واپس یمن کی طرف بھیج دیا۔ آپ ان کے پاس ہر ماہ ایک بار آیا کرتے۔ آپ کا بلقیس کے بطن سے بیٹا ہوا جس کا نام داؤد رکھا گیا جو آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا۔"[167]

ابن کثیر نے بھی مندرجہ بالا بات بیان کی تاہم ایک اضافہ کیا، آپ فرماتے ہیں:۔

"حضرت سلیمانؑ نے جنّوں کو حکم دیا کہ ملکہ کے لئے تین قلعے بنائیں جو بلندی میں ایسے ہوں کہ اس سے پہلے ایسی بلندی کسی نے نہ دیکھی ہو۔ تو انہوں نے سلحون، بینون اور عمدان نامی قلعے بنائے۔ آپ ان کے پاس ہر ماہ ایک بار آیا کرتے اور تین روز قیام کرتے۔"[168]

علامہ زمخشری نے کچھ اختلاف سے اپنی تفسیر میں کہا،

"حضرت سلیمانؑ نے اس ملکہ سے نکاح کیا اور بہت محبت سے رکھا۔ اور جنّوں کو حکم دیا کہ سلیحین اور غمدان نامی قلعے بنائیں۔۔۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے ان سے نکاح نہیں کیا بلکہ اہل تبّع میں سے ایک حمدان نامی بادشاہ سے ملکہ کا عقد کرا یا۔ اور زوبعۃ نامی جنّ جو یمن کا انچارج جنّ تھا کو ان کی اطاعت کا حکم دیا۔"[169]

علامہ اسماعیل حقی نے ایک روایت بیان کی ہے جو پچھلی روایات سے کچھ مختلف ہے۔ فرماتے ہیں،

"حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو نکاح کا پیغام بھیجا جس کو اس نے رد کر دیا اور کہا کہ میں ایک بہت بڑے علاقہ کی ملکہ ہوں میں نکاح نہیں کروں گی، حضرت سلیمانؑ نے اس کو نکاح کی اہمیت بتائی اور سمجھایا۔ اس پر اس نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے اہل تبّع میں سے کسی کے ساتھ بیاہ دیا جائے۔ اس پر آپ نے اس کا نکاح اہل تبّع میں سے ایک سردار کے ساتھ کر دیا اور یمن واپس بھیج دیا۔۔۔ زوبعۃ نے جو قلعے بنائے ان کے اسماء صرواح، مرواح، هندة، هنيدة اور فلتوم وغیرہ ہیں۔۔۔ جمہور کے نزدیک حضرت سلیمانؑ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔"[170]

علامہ کاشانی نے بھی آپ کے بارہ میں یہی لکھا کہ آپ نے ملکہ بلقیس سے شادی کر لی تھی۔[171]

آپ کی اس ملکہ کی شادی اور باقی احوال کے بارہ میں دور حاضر کے معروف عالم و مفسر ابو بکر الجزائری نے پنی تفسیر ایسر التفاسیر میں لکھا ہے، کہ

"ملکہ ایک نیک مسلمان تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا، اس کے بارہ میں قرآن کریم خاموش ہے۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ اس بارہ میں خاموشی اختیار کریں۔"[172]

## (20) یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک عقلی معجزہ تھا!!!

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس واقعہ کو ایک عقلی معجزہ قرار دیتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:۔

"واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے شق القمر جو ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور خدائے تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر

کرنے کے لئے اس کو دکھایا تھا۔ (۲) **دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس خارق عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو الہام الٰہی سے ملتی ہے جیسے حضرت سلیمان کا وہ معجزہ جو صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ ہے جس کو دیکھ کر بلقیس کو ایمان نصیب ہوا۔**"[173]

## حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے متعلق اس قرآنی بیان پر پادری وہیری صاحب کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

پادری وہیری صاحب (1843-1927) اس قرآنی بیان کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"This story has probably originated from i Kings vii…
…This story Muhammad must have learnt from his Jewish informants. The Muslim embellishment of the text is his own."[174]

یعنی یہ کہانی 1 سلاطین باب 7 سے اخذ کی گئی ہے۔۔۔ یہ کہانی محمد (ﷺ) نے ضرور اپنے یہودی (سکھانے والے) مخبروں سے سیکھی ہو گی۔ اس میں اسلامی (عقائد کی) زیب و آرائش ان (یعنی آنحضرت ﷺ) کی اپنی ذات کی طرف سے ہے۔

پادری وہیری کے اس اعتراض کا جواب انہی کے پیش کردہ حوالہ کو مد نظر رکھ کر دیا جائے گا۔

- 1 سلاطین باب 2 آیت 12 سے سلیمان بادشاہ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ کہ داؤد بادشاہ کے بعد سلیمان تخت نشین ہوا۔
- اسی باب میں آگے چل کر سلیمان کے بھائی بندوں اور ان کے درمیان دشمنی پر مبنی بیان ہے۔
- سلیمان نے اپنی "حکومت" کو "مستحکم" کرنے کے لئے کئی افراد کو قتل کروایا۔ (باب 2 آیت 23 تا 46)
- سلیمان بادشاہ کے ایک اہم خواب کا ذکر باب 3 آیت 5 تا 14 میں ہے جس میں اس کو خداوند نے اور کئی ایک باتوں کے علاوہ اپنے آئین پر چلنے اور انصاف کرنے کی تلقین کی۔
- باب 4 آیت 1 تا 20 میں سلیمان بادشاہ کے سرداروں اور منصبداروں کا تفصیلی ذکر ہے۔ اسی باب کے آخر میں سلیمان بادشاہ کی دریادلی، وسیع دستر خوان وغیرہ کا ذکر ہے۔
- باب 6 اور 7 میں سلیمان بادشاہ کے محل کی تعمیر کا مفصل ذکر ہے۔
- باب 10 میں یکدم ملکہ سبا کی سلیمان بادشاہ کے ہاں آمد کا ذکر ہے۔
- باب 11 میں سلیمان بادشاہ کی سات سو شہزادیوں اور تین سو حرموں کے ہوتے ہوئے موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتّی اجنبی عورتوں کے ساتھ سلیمان بادشاہ کی محبتوں کا تذکرے اور سلیمان بادشاہ کی خداوند کے آئین سے روگردانی، غیر معبودوں کے آگے جھکنا اور سلیمان بادشاہ کو خداوند کی طرف سے ملنے والی سزا کا ذکر ہے۔ اسی باب کے آخر میں سلیمان کی وفات کا ذکر ملتا ہے۔

اس خلاصہ کے بعد اب ہم پادری صاحب کے اعتراض کا جائزہ پرانے عہد نامہ کی ان مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں کریں گے۔

**پہلی بات** آپ کے اعتراض کے تناظر میں یہ ہے کہ آپ اپنی تفسیر میں جابجا یہودی مخبروں کا نام لیتے ہیں جو کہ آپ کے زعم میں آنحضرت ﷺ کو "سکھاتے" تھے۔ مگر پوری تفسیر میں کسی ایک جگہ بھی آپ نے ان "مخبر اساتذہ" کا نام نہیں لیا! اگر آپ نام لیتے تو کم از کم آپ کے بعد آنے والے معترضین کے لئے آسانی ہو جاتی اور ہمارے علم میں بھی "اضافہ" ہوتا ساتھ ساتھ آپ کی کتب "Methods of Mission Work Among

"Moslems"اور"The Moslem World: Islam and Christianity in India and the Far East"میں موجود علمی دعاوی پر دلیل بھی قائم ہو جاتی!

**دوسری بات** اس ضمن میں یہ ہے کہ جس سلیمان کو بائبل بادشاہ کے طور پر پیش کرتی ہے اس کی عظمت کا اظہار قرآن کریم کہیں اس کو نبی قرار دے کر کرتا ہے تو کہیں اس کو بابرکت زمرہ انبیاء واخیار میں شامل فرماتا ہے۔(سورۃ النسآء آیت 164 والانعام آیت 85)

جس سلیمان کو بائبل ظالم، قاتل وخونریز بادشاہ کے طور پر پیش کرتی ہے اس کے بارہ میں قرآن حکیم فرماتا ہے، وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ(سورۃ ص آیت 31) کہ داؤد پر ہم نے اپنی عطا سلیمان کی صورت میں کی۔ کیا اچھا عبد تھا۔۔۔

جس سلیمان کو بائبل غیر معبودوں کی طرف جھکنے والے کے طور پر پیش کرتی ہے، اس نبی مکرم سلیمانؑ کو قرآن کریم یہ سند دیتا ہے کہ إِنَّهُ أَوَّابٌ (سورۃ ص آیت 31) یعنی وہ تو خدائے واحد کی طرف بہت جھکنے والا تھا۔

جس سلیمان کو بائبل اس کے کفر کے ساتھ ملزم ٹھہراتی ہے اس کے بارہ میں قرآن کریم یہ فیصلہ دیتا ہے کہ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ (البقرۃ: 103) کہ سلیمان تو کسی کفر کے قریب بھی نہیں پھٹکا!

جس سلیمان کو بائبل اس کی سات سو شہزادیوں اور تین سو حرموں کے ہوتے ہوئے موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتّی اجنبی عورتوں کا دلدادہ بنا کر پیش کرتی ہے اس کے بارہ میں قرآن کریم فرماتا ہے کہ اس کو ہم نے اعلیٰ معاملہ فہمی، علم، حلم اور حکمت کی بخشش کی تھی، وہ کیونکر عورتوں کا دلدادہ ہو سکتا ہے؟ ان سب حقیقتوں کو دیکھتے ہوئے کوئی نہایت بے خبر یا متعصب ہی دعویٰ کر سکتا ہے کہ علیم وخبیر خدا کے علاوہ یہ علم آنحضرت ﷺ کو کوئی اور مخبر دے سکتا ہے!

**تیسری بات** اس اعتراض کے بارہ میں یہ ہے کہ بائبل نے سلیمان کی وراثت میں دریائے فرات سے لے کر فلستیوں کے ملک تک کی سب مملکتیں گنوائیں ہیں۔ ان مملکتوں میں موجود سب "چھوٹے ہرن" اور" بڑے ہرن" اور "موٹے تازے مرغ" گنوائے ہیں مگر قرآن کے وحی الٰہی سے ممسوح کلام میں تو آپ کی دنیاوہ ودینی دونوں وراثتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اور آپ کی دینی وراثت کا شائد آپ کے یہودیوں کو کوئی علم نہ تھا!

**چوتھی بات** یہ ہے کہ 1 سلاطین باب 4 آیت 29 تا 34 میں سلیمان کی حکمت کے بارہ بیان ہے:۔

"اور خدا نے سلیمان کو حکمت اور سمجھ بہت ہی زیادہ اور دل کی وسعت بھی عنایت کی جیسے سمندر کے کنارہ کی ریت ہوتی ہے۔ اور سلیمان کی حکمت سب اہل مشرق کی حکمت اور مصر کی ساری حکمت پر فوقیت رکھتی تھی اس لئے کہ وہ سب آدمیوں سے بلکہ ازراخی ایتان اور ہیمان اور کل کول اور دردع سے جو بنی محول تھے زیادہ دانشمند تھا اور چوگرد کی سب قوموں میں اس کی شہرت تھی۔ اور اس نے تین ہزار مثلیں کہیں اور اس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے۔ اور اس نے درختوں کا یعنی لبنان کی دیوار سے لے کر زوفا تک کا جو دیواروں پر اگتا ہے بیان کیا۔ اور چوپایوں اور پرندوں اور رینگنے والے جانداروں اور مچھلیوں کا بھی بیان کیا۔ اور سب قوموں میں سے زمین کے سب بادشاہوں کی طرف سے جنہوں نے اس کی حکمت کی شہرت سنی تھی لوگ سلیمان کی حکمت کو سننے آتے تھے۔"

اتنی غیر معمولی حکمت کے باوجود بائبل ان کو ایک برگزیدہ نبی ماننے سے قاصر ہے۔ اس پر مزید حیرانگی تب ہوتی ہے کہ جب اتنی الوہی حکمت سے بھرپور بادشاہ لوگوں کو اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے بے دریغ تہہ تیغ کر دے!

**پانچویں بات** یہ ہے کہ قرآن کریم سب سے بڑا مقصد مخلوق کو خالق کی راہ دکھانا اس کو اس راہ پر چلانا اور منزل مقصود تک پہنچانا ہے۔ اس کے کئی ایک مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کی کردار سازی کی جائے۔ اس کو ایک با اخلاق انسان اور پھر باخدا انسان یہاں تک کہ اس کو خدا نما انسان بنا دے۔ اگر اس معاملہ میں 1 سلاطین کے حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق بیان کو دیکھا جائے تو اس میں سرداروں کے نام، مملکتوں کے نام، اجنبی عورتوں کے نام اور ان کے قبائل کا ذکر، محل سلیمان کی تعمیر اس میں موجود اعلیٰ ترین نوادرات و اعلیٰ چوپایوں اور جانوروں کا ذکر تو بخوبی ملتا ہے مگر انسانی کردار سازی اور خدا رسیدگی کی کوئی ترکیب سجھائی نہیں دیتی۔ اس کے برعکس حضرت سلیمان سے متعلق قرآنی بیان میں اللہ تعالیٰ کے حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والتسلیم پر انعامات کا ذکر ملتا ہے اور ان دونوں انبیاء کی ان انعامات پر شکر گزاری کے حسین تذکرے ملتے ہیں۔ آپ کی بردباری، معاملہ فہمی، زبردست انتظامی صلاحیت، اللہ کی توحید کا قیام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے سر توڑ کوشش بہت خوبصورت انداز میں ملتی ہے جو کہ بیک وقت دونوں مقاصد قرآنیہ یعنی خالق و مخلوق کا تعلق اور انسانی کردار سازی کو پورا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذلک

**چھٹی بات** آپ کی خدمت میں یہ ہے کہ قرآنی بیان کی زینت تو وحی الٰہی سے مرصع بیان، اس کی اعلیٰ ترین محافظتِ الٰہی، اس کے عالمگیر پیغام اور توحید کے قیام اور غیر معبودوں کی عظمتوں کو جڑ سے اکھاڑنے کی وجہ سے ہے یہ خصوصیات اگر کسی انسان کے بنائے ہوئے کلام میں نظر آتیں ہیں تو ہمیں بھی دکھائیں، بہر حال ہمیں یہ خصوصیات آپ کی کتاب مقدس میں خال خال ہی نظر آئیں!

**ساتویں بات** اس ضمن میں یہ ہے کہ قرآن کریم بلند خیال روحانی پروازیں کرنے والے مقربین بارگاہ خداوندی کا اور ان کی منطق کا تذکرہ بخوبی کرتا ہے۔ کیونکہ بائبل ان بلند خیال روحانی پروازیں کرنے والے مقربین بارگاہ خداوندی سے ناآشنا ہے اسی لئے شائد اس کے بیان میں منطق الطیر نامی چیز کا اشارۃً بھی تذکرہ نہیں ملتا!

**آٹھویں بات** یہ ہے کہ 1 سلاطین باب 11 آیت 41 میں بائبل حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق ان روحانی علوم اور مقاصد عالیہ کی خصوصیات سے تہی دامن ہونے اور اپنے نامکمل ہونے کا اقرار بھی کرتی ہے، چنانچہ لکھا ہے،

"اور سلیمان کا باقی حال اور سب کچھ جو اس نے کیا اور اس کی حکمت سو اس نے کیا وہ سلیمان کی احوال کی کتاب میں درج نہیں۔"

**نویں اور آخری بات** یہ ہے کہ بائبل آپ کی حکمت و علم کی بھی قائل ہے، آپ کے ملہم من اللہ ہونے کا اقرار بھی کرتی ہے، آپ کو خدا کا فرمانبردار بھی مانتی ہے آپ کی سوختنی قربانیوں کو بھی یاد رکھتی ہے آپ کی زنتظامی قوت کی بھی مداح ہے مگر یکایک آپ کی ان اعلیٰ ترین خوبیوں کے بیان کے بعد آپ کو نعوذباللہ ایک قاتل، اپنی حکومت پر حریص، ہزاروں عورتوں کا رسیا، اپنے دل کے دیوتاؤں کی طرف مائل، غیر معبودوں کی طرف مائل، غیر کامل، خدا سے پھرے ہوئے دل کا مالک، خداوند کی سزا کا مستحق بنا کر پیش کرتی ہے اور آپ کی بادشاہت کو چھین کر مخالف ادومی خادم کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔

بتائیے، کیا بائبل کے یہ متضاد بیانات اور قرآن کریم کا مبنی بر علم و حکمت اور حضرت سلیمان علیہ وعلیٰ نبینا الصلوۃ والسلام کے مقام و مرتبہ کو بیان کرنے والے، انسانی کردار سازی اور خدارسیدگی پر دلالت کرنے والے بیان کا کوئی موازنہ کیا جاسکتا ہے؟

سچ تو یہ ہے کہ

**"دنیا ایک شیش محل ہے جس کے شیشوں کے نیچے زور سے پانی چل رہا ہے اور نادان سمجھتا ہے کہ یہی شیشے پانی ہیں حالانکہ پانی ان کے نیچے ہے۔"**[175]

---

# حوالہ جات

[1] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 126، 127۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[2] روح المعانی جلد 10 صفحہ 578 المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008 وتفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 312۔ مکتبۃ مصر۔ القاہرۃ۔ 2010

[3] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2122۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[4] تفسیر الصافی جلد 2 ص 274۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[5] التذکیر ص 1011 مطبوعہ گڈورڈ بکس۔ انڈیا۔ 2016

[6] البیان زیر آیت النمل 17

[7] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 284۔ مطبوعہ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2005

[8] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 127 و 128۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[9] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 312 و 313۔ مکتبۃ مصر۔ القاہرۃ۔ 2010

[10] روح المعانی جلد 10 صفحہ 578 المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[11] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2122 و 2123۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[12] روح البیان جلد 6 صفحہ 351۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[13] روح البیان جلد 6 صفحہ 348۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[14] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2124۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[15] تفسیر الصافی جلد 2 ص 274۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[16] التذکیر ص 1011 مطبوعہ گڈورڈ بکس۔ انڈیا۔ 2016

[17] البیان زیر آیت النمل 16

[18] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 284۔ مطبوعہ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2005

[19] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 355 تا 357۔ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2010

[20] قرآن کریم اردو ترجمہ مع سورتوں کا تعارف اور مختصر تشریحی نوٹس۔ صفحہ 654

[21] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 128۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[22] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 314۔ مکتبۃ مصر۔ القاہرۃ۔ 2010

[23] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 129۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[24] روح المعانی جلد 10 صفحہ 582، 583۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[25] روح البیان جلد 6 صفحہ 354۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[26] التذکیر ص 1012۔ مطبوعہ گڈورڈ بکس۔ انڈیا۔ 2016

[27] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 285۔ مطبوعہ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2005

[28] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 359 تا 364۔ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2010

[29] روح البیان جلد 6 صفحہ 355 و 356۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[30] A COMPREHENSIVE COMMENTARY ON THE QURiN: COMPRISING SALE'S TRANSLATION AND PRELIMINARY DISCOURSE, WITH ADDITIONAL NOTES AND EMENDATIONS. By the Eev. E. M. WHERKY, M.A LONDON.1896 VOL. III page 240

[31] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 130۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[32] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 314۔ مکتبۃ مصر۔ القاہرۃ۔ 2010

[33] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 286و287۔ مطبوعہ نظارت نشرو اشاعت۔ قادیان۔ 2005

[34] روح المعانی جلد 10 صفحہ 583۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاھرۃ 2008

[35] البیان زیر آیت النمل 18

[36] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 364 تا 368۔ نظارت نشرو اشاعت۔ قادیان۔ 2010

[37] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 130۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[38] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 131۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[39] تفسیر روح البیان ص 356

[40] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 315۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔ 2010

[41] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2124۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاھرۃ 2005

[42] روح المعانی جلد 10 صفحہ 583،584 المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاھرۃ 2008

[43] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 315۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔ 2010

[44] روح المعانی جلد 10 صفحہ 585۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاھرۃ 2008

[45] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 286۔ مطبوعہ نظارت نشرو اشاعت۔ قادیان۔ 2005

[46] روح البیان جلد 6 صفحہ 356۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[47] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 135۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[48] البیان زیر آیت النمل 18

[49] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 368۔ نظارت نشرو اشاعت۔ قادیان۔ 2010

[50] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 132۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[51] روح المعانی جلد 10 صفحہ 588۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاھرۃ 2008

[52] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2125۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاھرۃ 2005

[53] روح البیان جلد 6 صفحہ 359۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[54] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 316۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔ 2010

[55] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2124۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاھرۃ 2005

[56] روح المعانی جلد 10 صفحہ 594۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاھرۃ 2008

[57] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 136۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[58] التذکیر ص 1013۔ مطبوعہ گڈورڈ بکس۔ انڈیا۔ 2016

[59] روح المعانی جلد 10 صفحہ 592۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاھرۃ 2008

[60] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 288۔ مطبوعہ نظارت نشرو اشاعت۔ قادیان۔ 2005

[61] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 370 تا 372۔ نظارت نشرو اشاعت۔ قادیان۔ 2010

[62] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 373 تا 375۔ نظارت نشرو اشاعت۔ قادیان۔ 2010

[63] قرآن کریم اردو ترجمہ مع سورتوں کا تعارف اور مختصر تشریحی نوٹس۔ صفحہ 654

[64] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 162۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[65] روح المعانی جلد 10 صفحہ 594،595۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاھرۃ 2008

[66] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2125۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاھرۃ 2005

[67] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 138۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010 و تفسیر روح البیان ص 360

[68] البیان زیر آیت النمل 21

[69] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2125۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[70] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 162۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[71] روح المعانی جلد 10 صفحہ 598۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[72] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 319۔ مکتبۃ مصر۔ القاہرۃ۔ 2010

[73] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 288۔ مطبوعہ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2005

[74] روح المعانی جلد 10 صفحہ 601۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[75] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 322۔ مکتبۃ مصر۔ القاہرۃ۔ 2010

[76] A COMPREHENSIVE COMMENTARY ON THE QURiN: COMPRISING SALE'S TRANSLATION AND PRELIMINARY DISCOURSE, WITH ADDITIONAL NOTES AND EMENDATIONS. By the Eev. E. M. WHERKY, M.A LONDON.1896 VOL. III page 241

[77] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 140۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[78] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2125۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[79] روح المعانی جلد 10 صفحہ 601و602۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[80] روح المعانی جلد 10 صفحہ 601و602۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[81] روح المعانی جلد 10 صفحہ 601و602۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[82] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 140۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[83] روح البیان جلد 6 صفحہ 361۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[84] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 289۔ مطبوعہ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2005

[85] روح البیان جلد 6 صفحہ 362۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[86] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2125و2126۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[87] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 142۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[88] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 318و319۔ مکتبۃ مصر۔ القاہرۃ۔ 2010 و تفسیر روح البیان جلد 6 صفحہ 362۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[89] روح المعانی جلد 10 صفحہ 603، 604۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[90] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 142۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[91] A COMPREHENSIVE COMMENTARY ON THE QURiN: COMPRISING SALE'S TRANSLATION AND PRELIMINARY DISCOURSE, WITH ADDITIONAL NOTES AND EMENDATIONS. By the Eev. E. M. WHERKY, M.A LONDON.1896 VOL. III page 241

[92] روح المعانی جلد 10 صفحہ 609۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[93] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 377 تا 381 ۔ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2010

[94] روح المعانی جلد 10 صفحہ 609۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[95] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 322۔ مکتبۃ مصر۔ القاہرۃ۔ 2010 و تفسیر روح البیان جلد 6 صفحہ 364۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[96] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 145۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔ 2010

[97] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2126۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[98] تفسیر الصافی جلد 2 ص 276۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[99] البیان زیر آیت النمل 28

[100] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 290۔ مطبوعہ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2005

[101] روح المعانی جلد10 صفحہ 609۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[102] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 322۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔2010 و تفسیر روح البیان جلد 6 صفحہ 364۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔2009

[103] روح البیان جلد 6 صفحہ 364 و 365۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔2009

[104] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 148۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔2010

[105] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2128۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[106] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 148 حاشیہ۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔2010

[107] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 323، 324۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔2010ء

[108] روح المعانی جلد10 صفحہ 615۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[109] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ و151۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔2010

[110] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2128۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[111] تفسیر الصافی جلد 2 ص 277۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[112] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2128۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[113] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 392۔ نظارت نشرو اشاعت۔ قادیان۔2010

[114] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 324۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔2010ء

[115] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 150۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔2010 و روح البیان جلد 6 صفحہ 368، 369۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔2009

[116] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2128۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[117] روح البیان جلد 6 صفحہ 376۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔2009

[118] التذکیر ص 1015۔ مطبوعہ گڈورڈ بکس۔ انڈیا۔2016

[119] روح المعانی جلد10 صفحہ 615، 616۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[120] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 155۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔2010

[121] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 326۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔2010ء

[122] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2129۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[123] روح البیان جلد 6 صفحہ 372، 373۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔2009

[124] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 394۔ نظارت نشرو اشاعت۔ قادیان۔2010

[125] قرآن کریم اردو ترجمہ مع سورتوں کا تعارف اور مختصر تشریحی نوٹس۔ صفحہ 656

[126] روح المعانی جلد10 صفحہ 621۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[127] A COMPREHENSIVE COMMENTARY ON THE QURiN: COMPRISING SALE'S TRANSLATION AND PRELIMINARY DISCOURSE, WITH ADDITIONAL NOTES AND EMENDATIONS. By the Eev. E. M. WHERKY, M.A LONDON.1896 VOL. III page 243

[128] تفسیر الصافی جلد 2 ص 277۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[129] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 156۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاہرۃ۔2010

[130] روح البیان جلد 6 صفحہ 373۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔2009

[131] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2129۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاہرۃ 2005

[132] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 326۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔2010ء

[133] روح المعانی جلد10 صفحہ 621۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاہرۃ 2008

[134] تفسیر الصافی جلد 2 ص 278۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[135] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 395۔ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2010

[136] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 156۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[137] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 326۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔ 2010

[138] تفسیر الصافی جلد 2 ص 278۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[139] روح البیان جلد 6 صفحہ 373۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[140] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 157۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[141] تفسیر الصافی جلد 2 ص 278و279۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[142] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 394۔ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2010

[143] قرآن کریم اردو ترجمہ مع سورتوں کا تعارف اور مختصر تشریحی نوٹس۔ صفحہ 657

[144] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 326۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔ 2010و

[145] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2129۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاھرۃ 2005

[146] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 158۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[147] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2131۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاھرۃ 2005

[148] تفسیر الصافی جلد 2 ص 278۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[149] البیان زیر آیت النمل 39

[150] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 293۔ مطبوعہ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2005

[151] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 395۔ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2010

[152] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 158، 159۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[153] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 327۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔ 2010و

[154] روح المعانی جلد 10 صفحہ 625۔ المکتبۃ التوفیقیۃ۔ القاھرۃ 2008

[155] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2130۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاھرۃ 2005

[156] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 293۔ مطبوعہ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2005

[157] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 395و396۔ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2010

[158] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 159، 160۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[159] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2132۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاھرۃ 2005

[160] تفسیر الصافی جلد 2 ص 279۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[161] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 328۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔ 2010و

[162] نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 411۔ مطبوعہ لندن

[163] حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 294۔ مطبوعہ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2005

[164] روح البیان جلد 6 صفحہ 375۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[165] التذکیر ص 1016، 1017۔ مطبوعہ گڈورڈ بکس۔ انڈیا۔ 2016

[166] تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 397و398۔ نظارت نشر واشاعت۔ قادیان۔ 2010

[167] تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 7 صفحہ 160۔ مطبوعہ الافاق العربیۃ۔ القاھرۃ۔ 2010

[168] تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 2132۔ مطبوعہ دار ابن الھیثم۔ القاھرۃ 2005

[169] تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 328۔ مکتبۃ مصر۔ القاھرۃ۔ 2010و

---

[170] روح البیان جلد 6 صفحہ 375۔ دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ 2009

[171] تفسیر الصافی جلد 2 ص 279۔ منشورات ذوی القربیٰ۔ ایران

[172] ایسر التفاسیر جلد 4 صفحہ 454۔ مکتبۃ العلوم والحکم۔ المدینۃ المنورۃ۔ 2002

[173] ازالہ اوھام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 253 و 254۔ مطبوعہ لندن

[174] A COMPREHENSIVE COMMENTARY ON THE QURiN: COMPRISING SALE'S TRANSLATION AND PRELIMINARY DISCOURSE, WITH ADDITIONAL NOTES AND EMENDATIONS. By the Eev. E. M. WHERKY, M.A LONDON.1896 VOL. III page 244 &245 (Foornote)

[175] نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 411